سُوْرَةُ السَّبَا

سُوْرَةُ السَّبَا مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چون آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں،

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ

اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا۔ جانتا ہے

مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ

جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

اور جو چڑھتا ہے اس میں اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا۔

خلاصۂ تفسیر

تمام تر حمد (وثنا) اسی اللہ کو سزاوار ہے، جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور (جس طرح وہ فی الحال مستحق حمد ہے اسی طرح) اسی کو حمد (وثنا) آخرت میں (بھی) سزاوار ہے (اس کا ظہور اس طرح ہوگا کہ اہل جنت جنت میں داخل

ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد ان الفاظ سے کریں گے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ، وغیرہ) اور وہ حکمت والا ہے (کہ آسمان و زمین کی تمام مخلوقات کو بے شمار مصالح اور منافع پر مشتمل بنایا ہے، اور وہ) خبردار (بھی) ہے (کہ ان مصالح اور منافع کو پیدا کرنے سے پہلے سے جانتا ہے، ہر چیز میں مصالح اور منافع بڑی حکمت کے ساتھ رکھ دیئے اور وہ ایسا خبیر ہے کہ) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش کا پانی) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً درخت اور عام نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (مثلاً فرشتے جو آسمان سے اترتے ہیں اور چڑھتے رہتے ہیں، اور مثلاً احکام شرعیہ جو آسمان سے اتارے جاتے ہیں اور اعمال صالحہ جو آسمان میں لے جاتے جاتے ہیں) اور (چونکہ ان سب چیزوں میں جسمانی یا روحانی منافع ہیں جن کا مقتضا یہ ہے کہ سب لوگ پورا شکر ادا کریں، اور جو کوتاہی کرے وہ مستحق سزا ہو، لیکن) وہ (اللہ) رحیم (اور) غفور (بھی) ہے، (اور اپنی رحمت سے صغیرہ گناہ کو نیک اعمال سے اور کبیرہ کو توبہ سے، اور کبھی دونوں قسم کے گناہوں کو محض اپنے اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔ اور جو گناہ کفر و شرک کی حد تک پہونچ جائے اس کو ایمان لانے سے معاف کر دیتا ہے)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت، تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی

لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي

البتہ آئے گی تم پر اس عالم الغیب کی، غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا

میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی جو

فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ۙ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ

نہیں ہے کھلی کتاب میں۔ تاکہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام۔

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ

وہ لوگ جو ہیں ان کیلئے ہے معافی اور عزت کی روزی۔ اور جو لوگ دوڑے ہماری

اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ⑤ وَ
آیتوں کے ہرانے کو ان کو بَلا کا عذاب ہے دردناک ۔ اور

یَرَى الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ
دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اُترا تیرے رب سے وہی

الْحَقَّ ۙ وَیَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ⑥ وَقَالَ الَّذِیْنَ
ٹھیک ہے، اور سمجھاتا ہے راہ اس زبردست خوبیوں والے کی ۔ اور کہنے لگے

كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ
منکر ہم بتلائیں تم کو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ گے ٹکڑے ٹکڑے

اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
تم کو پھر نئے سر سے بننا ہے ۔ کیا بنا لایا ہو اللہ پر (جھوٹ) یا اس کو سودا ہے

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ
کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں اور دُور جا پڑے

الْبَعِیْدِ ⑧ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ
غلطی میں ۔ کیا دیکھتے نہیں جو کچھ اُن کے آگے ہے اور پیچھے ہے

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ
آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں یا گرا دیں

عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ⑨
ان پر ٹکڑا آسمان سے ، تحقیق اس میں نشانی ہے ہر بندہ رجوع کرنے والے کے واسطے ۔

خلاصۂ تفسیر

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی، آپ فرما دیجئے کہ کیوں نہیں (آوے گی) قسم اپنے پروردگار عالم الغیب کی کہ وہ ضرور تم پر آوے گی (اس کا علم ایسا وسیع اور محیط ہے کہ، اس (کے علم) سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں

(بلکہ سب اس کے علم میں حاضر ہیں) اور نہ کوئی چیز اس (مقدار مذکور) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے مگر یہ سب (بوجہ احاطۂ علم الٰہی کے) کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (مرقوم) ہے (قیامت کے متعلق کفار کے کئی شبہات تھے، ایک یہ کہ اگر آنے والی ہو تو اس کا وقت بتلا دیجئے، کما قال تعالیٰ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا، دوسرا یہ کہ جن اجزاء کو جمع کر کے اُن میں حیات پیدا کرنا بتلایا جاتا ہے، ان کا کہیں نشان بھی نہ رہے گا پھر جمع کیسے ہوں گے؟

اس مضمون اثبات علم غیب سے شبہ اول کا جواب ہو گیا کہ اس کا علم بوجہ حکمت کے مختص ہے باری تعالیٰ کے ساتھ، اگر نبی کو اس کا معین وقت معلوم نہ ہو تو لازم نہیں آتا کہ اس کا وقوع ہی نہ ہو، کما قال تعالیٰ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ اور مضمون اثبات علم محیط سے دوسرے شبہ کا جواب ہو گیا ہے کہ ان تمام اجزاء کے زمین میں منتشر اور ہوا میں پھیل جانے کے باوجود وہ ہمارے علم سے خارج نہ ہوں گے، ہم جب چاہیں گے جمع کر لیں گے کما قال تعالیٰ اَفَلَمْ یَرَوْا الخ۔ اب قیامت کی غایت بتلاتے ہیں کہ وہ قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ ان لوگوں کو صلہ (نیک) دے جو ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک کام کیا تھا (سو) ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور (بہشت میں) عزت کی روزی ہے، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کی تھی (نبی کو) ہرانے کے لئے (گو اس کوشش میں ناکام ہی رہے) ایسے لوگوں کے واسطے سختی کا دردناک عذاب ہوگا اور (آیات قرآنیہ کی تکذیب پر یہ سزا ہونی ہی چاہئے، کیونکہ اول تو قرآن فی نفسہ امر حق منزل من اللہ ہے اور ایسے امر حق کی تکذیب خود حق تعالیٰ کی تکذیب ہے، اس پر جتنی سزا ہو بجا ہے۔ دوسرے قرآن راہِ راست کی تعلیم و ہدایت کرتا ہے، جو شخص اس کو نہ مانے گا وہ راہِ راست سے قصداً دور رہے گا، نہ اس کو عقائد حقہ کا پتہ لگے گا نہ اعمال صالحہ کا اور یہی طریقہ تھا نجات کا۔ پس طریقۂ نجات سے قصداً دور رہنے پر سزا کا ہونا بے جا نہیں ہے، اور قرآن کا حق اور ہادی ہونا ایسا واضح ہے کہ علاوہ اس کے اور دلائل سے ثابت ہے۔ ایک سہل طریق اس کے ثبوت کا یہ ہے کہ) جن لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے غالب محمود (کی رضا) کا راستہ بتلاتا ہے (اس استدلال کی تقریر شروع رکوع اخیر سورۃ شعراء میں گذر چکی ہے۔ اور شاید منجملہ جمیع امور واجبۃ الایمان کے، بیانِ حقیقت قرآن کا اہتمام اس لئے فرمایا ہو کہ یہ اُن امور واجبۃ الایمان پر مشتمل ہے بالخصوص خبر قیامت پر جس میں اس مقام میں کلام ہے۔ پس اس بنا پر

حاصل یہ ہوا کہ قیامت کے روز اسی قیامت کی تکذیب پر بھی سزا ہوگی) اور (آگے پھر قیامت کا اثبات ہے یعنی) یہ کافر (آپس میں) کہتے کہ کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو یہ (عجیب) خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو (اس کے بعد قیامت کو) تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے معلوم نہیں اس شخص نے خدا پر (قصداً) جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے (کہ بلاقصد جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ یہ امر تو محال ہے تو اس کے وقوع کی خبر ضرور غلط ہے، خواہ قصد سے ہو یا فسادِ تخیل سے ہو۔ حق تعالیٰ ان دونوں شقوں کو رد فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی تو مفتری اور مجنون کچھ بھی نہیں) بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہی) عذاب اور دور دراز گمراہی میں (مبتلا) ہیں، (اس گمراہی کا حالی اثر یہ ہے کہ سچے بھی مفتری اور مجنون نظر آتے ہیں، اور مآلی اثر یہ ہو کہ عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اور یہ جاہل جو اس جمع و احیاءِ اجزاءِ متفرقہ جمادیہ کو محال بعید از قدرت سمجھ رہے ہیں) تو کیا انھوں نے (دلائلِ عظمتِ قدرتِ الٰہیہ میں سے) آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو اُن کے آگے (بھی) اور ان کے پیچھے (بھی) موجود ہیں (کہ جدھر دیکھیں وہ نظر آرہے ہیں۔ پس ان اجرامِ عظیمہ کا ابتداءً پیدا کرنے والا کیا اجسامِ صغیرہ کے ثانیاً پیدا کرنے پر قادر نہیں، کما قال اللہ تعالیٰ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ الخ اور باوجود وضوحِ دلائلِ حق کے پھر بھی انکار وعناد کرنے کی وجہ سے یہ ہیں تو اس قابل کہ ان کو ابھی سزا دی جائے اور سزا بھی ایسی کہ یہ دلائلِ قدرت آسمان و زمین جو ان کے لئے نعمتِ عظیمہ بھی ہیں انھی کو ان کے لئے آلۂ تعذیب بنا دیا جائے کہ جس نعمت کا کفران ہوا اسی نعمت کو نقمت یعنی عذاب بنانے سے سخت حسرت ہوتی ہے۔ اور ہم اس سزا پر بھی قادر ہیں چنانچہ) اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا (اگر چاہیں تو) ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں (لیکن حکمت مقتضی ہے تاخیر کو اس لئے مہلت دے رکھی ہے، غرض ان لوگوں کو دفعِ توہمِ استحالہ کے لئے آسمان و زمین پر نظر کرنا چاہئے کیونکہ) اس (دلیل مذکور) میں (قدرتِ الٰہیہ کی) پوری دلیل ہے (مگر) اس بندہ کے لئے جو (خدا کی طرف) متوجہ (بھی) ہو (اور حق کی طلب ہو یعنی دلیل تو کافی ہے مگر ان کی طرف سے طلب نہیں اس لئے محروم ہیں)۔

معارف و مسائل

عَالِمِ الْغَیْبِ، یہ صفت رب کی ہے جس کی اوپر قسم کھائی گئی ہے اور اللہ جل شانہٗ

کی تمام صفات میں سے اس جگہ صفتِ علم غیب و علم محیط کو شاید اس لئے خاص کیا گیا کہ کلام منکرین قیامت کے معاملہ میں ہے، اور قیامت کے انکار کا بڑا سبب کفار کے لئے یہ تھا کہ جب سب انسان مر کر مٹی ہو جائیں گے اور اس مٹی کے ذرات بھی دنیا میں منتشر ہو جائیں گے تو سارے جہان میں پھیلے ہوئے ذرات کو جمع کرنا پھر ہر ایک انسان کے ذرات کو دوسرے انسانوں کے ذرات سے الگ کر کے ہر ایک کے ذرات اسی کے وجود میں پیوست کرنا کیسے ممکن ہے؟ اور اس کو ناممکن سمجھنا اسی بناء پر تھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کو اپنے علم و قدرت پر قیاس کر رکھا تھا۔ حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم سارے عالم پر ایسا محیط ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کو سب معلوم ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے، کوئی ذرہ مخلوقات کا اس کے علم سے باہر نہیں، اور یہ علم محیط حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے کسی مخلوق کو خواہ فرشتہ ہو یا پیغمبر ایسا علم محیط کہ کوئی ذرہ جہان کا اس سے خارج نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جس ذات کو ایسا علم محیط حاصل ہو اس کے لئے ایک انسان کے ذرات کو الگ الگ سارے جہان میں سے جمع کر لینا اور اس سے ان کے اجسام کو دوبارہ مرکب کر دینا کیا مشکل ہے۔

لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، اس جملہ کا تعلق اس سے پہلے جملے لَتَاْتِیَنَّکُمْ سے ہے، یعنی قیامت ضرور آئے گی، اور قیامت آنے کا مقصد یہ ہوگا کہ ایمان والوں کو جزاء اور بہترین رزق جنّت کا دیا جائے اور ان کے مقابل اَلَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا، یعنی وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیات پر اعتراض کئے اور لوگوں کو ان کے ماننے سے روکنے کی کوشش کی۔

مُعٰجِزِیْنَ یعنی ان کی یہ کوشش گویا اس لئے تھی کہ وہ ہمیں گرفت سے عاجز کر دیں گے اور قیامت کی حاضری سے چھوٹ جائیں گے۔

اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ، یعنی ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہوگا رِجْزٍ اَلِیْم کا جس کے معنی سخت عذاب کے ہیں جو دردناک ہو۔

وَیَرَى الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ، یہ منکرینِ قیامت کے بالمقابل ان مؤمنین کا ذکر ہے جو قیامت پر ایمان لائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہ اس علم سے مستفید ہوئے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ، یہ کفار منکرینِ قیامت کا قول نقل کیا گیا ہے، جو بطور تحقیر و استہزاء کے یوں کہا کرتے تھے کہ آؤ ہم تمہیں ایک ایسے عجیب شخص کا پتہ دیں جو یوں

کہتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، اس کے بعد پھر تمہیں نئی پیدائش دی جائے گی، اور پھر تم اسی شکل وصورت میں تیار کر کے زندہ کر دیئے جاؤ گے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس شخص سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو قیامت اور اس میں سب مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی تاکید کرتے تھے، اور یہ سب لوگ آپ کو پوری طرح جانتے تھے، مگر یہاں اس انداز سے ذکر کیا کہ گویا یہ آپ کے متعلق اور کچھ نہیں جانتے، بجز اس کے کہ آپ قیامت میں مُردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ یہ طرز کلام استہزاء وتحقیر کے لئے اختیار کیا تھا۔

اور مُمَزَّقْتُمْ مُزِّقَ سے مشتق ہے، جس کے معنی چیر نے پھاڑنے اور ٹکڑے کرنے ہیں اور کل مُمَزَّقٍ سے مراد بدنِ انسانی کا ریزہ ریزہ ہو کر الگ ہو جانا ہے، آگے آپ کے قول اور ذکر قیامت کے متعلق اپنے خیال کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ، مطلب یہ ہے کہ جسم کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد سب ذرات کا جمع ہو کر پھر بدنِ انسانی بن جانا اور زندہ ہونا تو ایسی نامعقول بات ہے جس کو تسلیم کرنے اور ماننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے ان کا یہ قول یا تو جان بوجھ کر خدا تعالیٰ پر افترار دہتان باندھنا ہے، یا پھر یہ کہنے والا مجنون ہے جس کے کلام کی کوئی بنیاد صحیح نہیں ہوتی۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ الآیۃ جیسا کہ خلاصۂ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے اس آیت میں قیامِ قیامت کے دلائل بھی ہیں کہ آسمان وزمین کی مخلوقات میں غور کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرنے سے وہ استبعاد رفع ہو سکتا ہے جو منکرینِ قیامت کو اس کی تسلیم سے مانع تھا، اور ساتھ ہی منکرین کے لئے سزا کی دھمکی بھی ہے کہ یہ آسمان وزمین کی تمام مخلوقاتِ عظیمہ جو تمہارے لئے بڑی نعمتیں ہیں، اگر ان کے مشاہدہ کے بعد بھی تم تکذیب وانکار پر جمے رہے تو اللہ کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ انہی نعمتوں کو تمہارے لئے عذاب بنا دے کہ زمین تمہیں نگل جائے، یا آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تم پر گر پڑے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَ

اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی، اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اسکے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو اور

اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا، کہ بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ

اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں۔ اور سلیمان کے آگے ہوا کو

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ

صبح کی منزل کی ایک مہینہ کی اور شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا،

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ

اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے اور جو کوئی پھرے ان میں سے

عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا

ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اس کو آگ کا عذاب۔ بناتے اس کے واسطے جو کچھ

يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں

رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ

چولھوں پر چڑھی ہوئی، کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں

الشَّكُوْرُ ۝۱۳ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ

احسان ماننے والے۔ پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو نہ جتلایا ان کو اس کا مرنا

اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ

مگر کیڑے نے گھن کے کھانا رہا اس کا عصا، پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے

اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۱۴

کہ اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں۔

خلاصۂ تفسیر

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی (چنانچہ

ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو (یعنی جب یہ ذکر میں مشغول ہوں تم بھی ان کا ساتھ دو) اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا (کہ ان کے ساتھ تسبیح کرو کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً الخ شاید اس میں ایک حکمت یہ ہو کہ ان کو ذکر میں نشاط ہوگا، اور یہ بھی حکمت ہو کہ آپ کا ایک معجزہ ظاہر ہوگا اور غالباً یہ تسبیح ایسی ہوگی کہ سننے والے بھی سمجھ لیں ورنہ غیر مفہوم تسبیح تو عام ہے، اس میں معیت داؤد علیہ السلام کی کیا تخصیص ہو کما قال تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ) اور (ایک نعمت یہ دیدی کہ) ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم کے) نرم کر دیا (اور یہ حکم دیا) کہ تم (اس لوہے کی اچھی) پوری زرہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں (مناسب) اندازہ (کا خیال) رکھو اور (جیسے ہم نے تم کو نعمتیں دی ہیں اُن کے شکر میں) تم سب (یعنی داؤد علیہ السلام اور ان کے متعلقین) نیک کام کیا کرو میں تمہارے سب کے اعمال کو دیکھ رہا ہوں (اس لئے رعایتِ حدود کا پورا اہتمام رکھو) اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس (ہوا) کا صبح کا چلنا مہینے بھر کی مسافت تھی اور (اسی طرح) اس کا شام کا چلنا مہینے بھر کی مسافت تھی (یعنی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اتنی اتنی دور پہنچاتی تھی، کما قال تعالیٰ وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ) اور (ایک نعمت اُن کو یہ دی کہ) ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا (یعنی تانبے کو اس کے معدن میں رقتیق سیال کر دیا تاکہ اس سے مصنوعات بنانے میں بدون آلات کے سہولت ہو، پھر وہ منجمد ہو جاتا، یہ بھی ایک معجزہ ہے) اور (ایک نعمت یہ تھی کہ ہم نے جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا چنانچہ) جنات میں بعضے وہ تھے جو اُن کے آگے (طرح طرح کے) کام کرتے تھے ان کے رب کے حکم (تسخیری) سے (یعنی چونکہ پروردگار نے مسخر کر دیا تھا) اور (حکم تسخیری کے ساتھ ان کو حکم تشریعی بھی مع وعید دیا تھا کہ) ان میں جو شخص ہمارے (اس حکم سے (کہ سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرو) سرتابی کرے گا (یعنی تسلیم انقیاد سے کام نہ کریگا گو بوجہ تسخیر کے سلیمان علیہ السلام اس سے جبراً کام لینے پر قادر ہوں گے جیسے بیگاریوں سے کام لیا جاتا ہے تو) ہم اس کو (آخرت میں) دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے (اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ جو تسلیم و انقیاد سے کام کرے گا اور پورا انقیاد یہ ہے کہ ایمان بھی اختیار کرے کیونکہ ہر نبی اپنے محکومین کو اس کا امر کرتا ہے تو بدون اس کے انقیاد نہیں پس حاصل یہ کہ جو جن ایمان و اطاعت اختیار کرے گا وہ عذابِ سعیر سے محفوظ رہے گا، جیسا کہ

ایمان کا مقتضا ہے آگے ان کاموں کو بتلاتے ہیں جن پر جنات مامور تھے) یعنی وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن، (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (ہلائے ہل نہ سکیں اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا کہ جیسے ہم نے تم کو نعمتیں بھی دی ہیں) اے داؤد کے خاندان والو (یعنی سلیمان علیہ السلام اور ان کے متعلقین) تم سب (ان نعمتوں کے) شکر یہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں (اس لئے اس شکر گزاری کرنے سے جس کا طریق مقصود عمل صالح ہے تم کو خلق کثیر پر امتیاز ہو جائے گا پس اس جملہ میں تحریض ہو گئی شکر و عمل صالح پر، جیسے داؤد علیہ السلام کو بھی اِعْمَلُوْا صَالِحًا حکم ہوا تھا اور اسی طرح وہاں تسخیر جبال و طیور تھی، اور یہاں تسخیر ریح و جن مذکور ہوئی اور وہاں لوہے کو نرم کر دینا تھا یہاں تانبے کو، غرض زندگی بھر سلیمان علیہ السلام کے سامنے جنات کا یہ معاملہ رہا) پھر جب ہم نے ان پر (یعنی سلیمان علیہ السلام پر) موت کا حکم جاری کر دیا، (یعنی انتقال فرما گئے) تو (ایسے طور پر موت واقع ہوئی کہ جنات کو خبر نہیں ہوئی وہ یہ کہ سلیمان علیہ السلام موت کے قریب عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کو زیر ذقن لگا کر تخت پر بیٹھ گئے اور اسی حالت میں رُوح قبض ہو گئی اور اسی طرح سال بھر تک بیٹھے رہے، جنات آپ کو بیٹھا دیکھ کر زندہ سمجھتے رہے، یہ کسی کی مجال نہ تھی کہ پاس جا کر یا خوب گھور کر دیکھ سکے، خصوصاً جب کہ کوئی وجہ شبہ کی نہ ہو اور زندہ سمجھ کر بدستور کام کرتے رہے اور) کسی چیز نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان (علیہ السلام) کے عصا کو کھاتا تھا (یہاں تک کہ ایک حصہ اس کا کھا لیا، تو وہ عصا گر پڑا، اس کے گرنے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے) سو جب وہ گر پڑے (اور گھن کے کھانے کا تخمینہ لگانے سے معلوم ہوا کہ ان کو تو وفات پائے ہوئے ایک سال ہوا) تب جنات کو (اپنے دعوئ غیب دانی کی) حقیقت معلوم ہوئی (وہ یہ کہ) اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (سال بھر تک) اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے (مراد اعمالِ شاقہ ہیں جن میں بوجہ محکومیت کے ذلت بھی تھی اور مشقت کی وجہ سے مصیبت بھی ہے)۔

معارف و مسائل

اوپر منکرین قیامت کفار سے خطاب تھا جو مرنے اور جسم کے اجزاء منتشر ہو جانے کے بعد دوبارہ ان کے جمع کرنے اور ان میں حیات پیدا کرنے کو خلاف عقل سمجھ کر انکار

کرتے تھے، آیات مذکورہ میں ان کا استبعاد دور کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے قصے اس لئے ذکر فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اسی دنیا میں ایسے کاموں کا مشاہدہ کرا دیا جن کو یہ لوگ محال سمجھا کرتے تھے، مثلاً لوہے کو موم بنا دینا، ہوا کو تابع فرمان بنا دینا، تانبے کو ایک سیال چیز پانی کی طرح کر دینا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا "یعنی عطا کیا ہم نے داؤد کو اپنا فضل" فضل کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں، مراد وہ خاص صفات ہیں جو دوسروں سے زائد ان کو عطا کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و پیغمبر کو بعض خاص صفات امتیازی عطا فرمائی ہیں جو انکی مخصوص فضیلت سمجھی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی مخصوص صفات یہ تھیں کہ ان کو اپنی نبوت و رسالت کے ساتھ پوری دنیا کی سلطنت و حکومت بھی عطا فرمائی تھی۔ اور خوش آوازی کی ایسی صفت عطا فرمائی تھی کہ جب آپ اللہ کے ذکر یا زبور کی تلاوت میں مشغول ہوتے تو پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے سننے کو جمع ہو جاتے تھے، اسی طرح متعدد معجزات خصوصی عطا ہوئے تھے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ، اَوِّبِيْ، تاویب سے مشتق ہے، جس کے معنی دہرانے اور لوٹانے کے کئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیدیا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر و تسبیح کریں تو پہاڑ بھی وہ کلمات پڑھ کر لوٹائیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے اَوِّبِيْ کی تفسیر سَبِّحِيْ سے فرمائی ہے (ابن کثیر) یہ پہاڑوں کی تسبیح جو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے اس عام تسبیح کے علاوہ ہے جس میں کل مخلوقات شریک ہیں، اور جو ہر جگہ ہر وقت ہر زمانے میں جاری ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ، یعنی دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی تسبیح نہ پڑھتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ یہاں جس تسبیح کا ذکر ہے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے یہ ظاہر ہے کہ اس تسبیح کو عام سننے والے بھی سنتے سمجھتے ہوں گے، ورنہ پھر معجزہ ہی نہ ہوتا۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ پہاڑوں کا آواز ملانا اور تسبیح کو دہرانا یہ آواز بازگشت کے طور پر نہ تھا جو عام طور پر گنبد یا کنویں وغیرہ میں آواز دینے کے وقت آواز کے لوٹنے سے سنی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی فضل و انعام کی حیثیت میں ذکر فرمایا ہے، آواز بازگشت

میں کسی کی فضیلت و خصوصیت سے کیا تعلق ہے وہ تو ہر انسان چاہے کافر ہی ہو بازگشت کی جگہ میں اس کی آواز بھی لوٹتی ہے۔

وَالطَّيْرَ، یہ لفظ نحوی ترکیب میں سَخَّرْنَا محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (روح) معنی یہ ہیں کہ ہم نے پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا مراد اس تسخیر سے یہ ہے کہ پرندے بھی آپ کی آواز پر ہوا میں جمع ہو جاتے ۔ اور آپ کے ساتھ پہاڑوں کی طرح تسبیح کرتے تھے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے، اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً "یعنی ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کا مسخر کر دیا تھا کہ صبح شام ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ، یہ دوسرا معجزہ ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا تھا۔ حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ کے لوہے کو ان کیلئے موم کی طرح نرم بنا دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی۔ آگے آیت میں اس کا بیان ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ لوہے کی زرہ آسانی سے بنا سکیں، اور ایک دوسری آیت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زرہ سازی کی صنعت آپ کو خود سکھائی تھی وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ، یعنی ہم نے سکھائی ان کو صنعت زرہ بنانے کی۔ اور اس آیت میں بھی آگے جو قَدِّرْ فِي السَّرْدِ آیا ہے، یہ بھی اس صنعت کے سکھانے کی تکمیل ہے۔ لفظ قَدِّرْ تَقْدِيْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ایک اندازے پر بنانے کے ہیں، اور سَرْد کے لفظی معنی بُننے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زرہ کے بنانے میں اس کی کڑیوں کو متوازن اور متناسب بنائیں، کوئی چھوٹی کوئی بڑی نہ ہو، تاکہ وہ مضبوط بھی بنے اور دیکھنے میں بھی بھلی معلوم ہو۔ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے (ابن کثیر)

فائدہ ۱: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صنعت میں ظاہری خوش نمائی کی رعایت بھی پسندیدہ چیز ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص ہدایت فرمائی۔

فائدہ دوم: بعض حضرات نے قَدِّرْ فِي السَّرْدِ کی تفسیر میں تقدیر سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے ایک مقدار وقت کی معین کر لینا چاہئے۔ سارے اوقات اس میں صرف نہ ہو جائیں، تاکہ عبادت اور امور سلطنت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے۔ اس تفسیر پر

معلوم ہوا کہ صنعت کار اور محنت کش لوگوں کو بھی یہ چاہئے کہ عبادت اور اپنی معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنے کام سے کچھ وقت بچایا کریں اور اوقات کا انضباط رکھیں۔ (روح المعانی)

صنعت وحرفت کی بڑی فضیلت ہے۔

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اشیاءِ ضرورت کی ایجاد وصنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا، اور اپنے عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانا اسی آیت سے ثابت ہوا، حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کی صنعت اسی طرح سکھائی گئی، وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا "یعنی ہمارے سامنے کشتی بناؤ" سامنے بنانے کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح ہم بتلاتے ہیں اسی طرح بناؤ۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے ثابت ہے۔ الطب النبوی کے نام سے ایک کتاب امام حدیث حافظ شمس الدین ذہبی کی طرف نسبت کے ساتھ چھپی ہے، اس میں تو ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ انسانی زندگی کے لئے جتنی اہم اور ضروری صنعتیں ہیں مثلاً مکان بنانا، کپڑا بننا، درخت بونا اور اگانا، کھانے کی چیزیں تیار کرنا، حمل ونقل کے لئے پہیوں کی گاڑی بنا کر چلانا وغیرہ یہ سب ضروری صنعتیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے انبیاء علیہم السلام کو سکھلائی تھیں۔

صنعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھنا گناہ ہے۔

عرب میں مختلف آدمی مختلف صنعتیں اختیار کرتے تھے، کسی صنعت کو حقیر یا ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا، اور پیشہ وصنعت کی بنیاد پر کسی شخص کو کم یا زیادہ نہ سمجھا جاتا تھا، نہ پیشوں کی بنیاد پر کوئی برادری بنتی تھی۔ پیشوں کی بنیاد پر برادریاں بنانا اور بعض پیشوں کو بحیثیت پیشہ حقیر وذلیل سمجھنا یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے، ان کے ساتھ رہنے سہنے سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہوگئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو صنعت زرہ سکھانے کی حکمت

تفسیر ابن کثیر میں امام حدیث حافظ ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی خلافت وسلطنت کے زمانہ میں بھیس بدل کر بازاروں وغیرہ میں جاتے، اور مختلف اطراف سے آنے والے لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت میں عدل وانصاف عام تھا، اور سب انسان آرام وعیش کے ساتھ گذارہ کرتے تھے، کسی کو حکومت سے کوئی شکایت نہ تھی، اس لئے جس سے سوال کرتے وہ داؤد علیہ السلام کی مدح وثناء اور عدل وانصاف پر اظہارِ شکر کرتا تھا۔

حق تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لئے اپنے ایک فرشتے کو بشکلِ انسان بھیج دیا، جب

داؤد علیہ السلام اس کام کے لئے نکلے تو یہ فرشتہ ان سے ملا۔ حسب عادت اس سے بھی وہی سوال کیا، فرشتے نے جواب دیا کہ داؤد بہت اچھا آدمی ہے اور سب آدمیوں سے وہ اپنے نفس کے لئے بھی اور اپنی امت ورعیت کے لئے بھی بہتر ہے، مگر اس میں ایک عادت ایسی ہے کہ وہ نہ ہوتی تو وہ بالکل کامل ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا عادت ہے؟ فرشتے نے کہا کہ وہ اپنا کھانا پینا اور اپنے اہل وعیال کا گذارہ مسلمانوں کے مال یعنی بیت المال میں سے لیتے ہیں۔

یہ بات سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف الحاح وزاری اور دعاء کا اہتمام کیا کہ مجھے کوئی ایسا کام سکھا دیں جو میں اپنے ہاتھ کی مزدوری سے پورا کروں، اور اس کی اجرت سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گذارہ کروں، اور مسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کے تمام کام بلا معاوضہ کروں۔ ان کی دعاء کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا، ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھادی، اور پیغمبرانہ اعزاز یہ دیا کہ لوہے کو ان کے لئے موم بنا دیا تاکہ یہ صنعت بہت آسان ہوجائے، اور تھوڑے وقت میں اپنا گذارہ پیدا کر کے باقی وقت عبادت اور امور سلطنت میں لگا سکیں۔

مسئلہ: خلیفۂ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے، لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہوسکے تو وہ زیادہ پسند ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے خزانے کھول دیئے تھے، اور زر وجواہرات اور تمام اشیاءِ ضرورت کی بڑی فراوانی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو بیت المال کے مال میں حسب منشاء ہر تصرف کی اجازت بھی دیدی گئی تھی۔ آیت هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ میں یہ بھی اطمینان دلایا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں، آپ کے ذمہ حساب دینا نہیں ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ جس مقام بلند پر رکھنا چاہتے ہیں اس کے تقاضہ سے یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اتنی بڑی سلطنت کے ہوتے ہوئے اپنی مزدوری سے اپنا گذارہ پیدا کرتے اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔

علماء جو تعلیم وتبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں، اور قاضی ومفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں اُن کا بھی یہی حکم ہے کہ بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں، مگر کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو جو دینی خدمت میں خلل انداز بھی نہ ہو تو

وہ بہتر ہے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے اس طرزِ عمل سے کہ اپنے اعمال و عادات کے متعلق لوگوں کی رائیں بے تکلف آزادانہ معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ ثابت ہوا کہ اپنے عیوب چونکہ آدمی کو خود معلوم نہیں ہوتے، اس لئے دوسروں سے تحقیق کرنا چاہئے۔ حضرت امام مالکؒ بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ یہ معلوم کریں کہ عام لوگ اُن کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ، حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل و انعامات کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر فرما دیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو جس پر وہ مع اپنے اہلِ دربار کے بڑی تعداد میں سوار ہوتے تھے، ہوا ان کے حکم کے تابع جہاں وہ چاہتے لے جاتی تھی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تسخیرِ ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے، اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضا ہوگئی، چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے، اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر کے قربان کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی، اور یہ گھوڑے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی مِلک میں تھے، اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور قربانی کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرنے کا اشکال بھی نہیں ہوتا۔ اس کی پوری تفصیل سورۃ صٓ میں آئے گی) چونکہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرما دی۔ (قرطبی)

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ، غدو کے معنی صبح کو چلنے اور رواح کے معنی شام کو چلنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ صبح سے دوپہر تک یہ تختِ سلیمانی ہوا کے کاندھوں پر ایک مہینہ کی مسافت طے کر لیتا تھا، اور پھر شام سے رات تک ایک مہینہ کی، اس طرح دو مہینے کی مسافت ایک دن میں طے کرتا تھا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو بیت المقدس سے

روانہ ہوتے تو دوپہر کو اصطخر میں جا کر قیام فرماتے، اور دوپہر کا کھانا کھاتے تھے، پھر یہاں سے بعد ظہر واپس چلتے تو کابل میں جا کر رات ہوتی تھی، اور بیت المقدس اور اصطخر کے درمیان اتنی مسافت ہے جو تیز سواری پر چلنے والا ایک ماہ میں طے کر سکتا ہے، اسی طرح اصطخر سے کابل تک کی مسافت بھی تیز سواری پر چلنے والا ایک ماہ میں طے کر سکتا ہے۔ (ابن کثیر)

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ، یعنی بہا دیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے چشمہ تانبے کا، یعنی تانبے جیسی سخت دھات کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے پانی کی طرح بہنے والا سیّال بنا دیا جو پانی کے چشمہ کی طرح جاری تھا اور گرم بھی نہ تھا، تاکہ آسانی کے ساتھ اس کے برتن اور دوسری ضروریات بنا سکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ چشمہ اتنی دور تک جاری ہوا جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہو سکے، اور یہ ارضِ یمن میں تھا۔ اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ چشمہ صنعاء یمن سے شروع ہوا اور تین دن تین رات کی مسافت تک پانی کے چشمہ کی طرح جاری رہا، خلیل نحوی نے فرمایا کہ لفظ قِطر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے (قرطبی)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ، یہ جملہ بھی سَخَّرْنَا محذوف سے متعلق ہے معنی یہ ہیں کہ مسخر کر دیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات میں سے ایسے لوگوں کو جو ان کے سامنے ان کے کام انجام دیں اپنے رب کے حکم کے موافق، بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی ان کے سامنے کے الفاظ بڑھانے سے شاید یہ بتلانا ہو کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند سورج وغیرہ کو انسان کے لئے مسخر کرنے کا ارشاد قرآن میں آیا ہے، بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں کی طرح ان کے سامنے مفوضہ خدمات میں لگے رہتے تھے۔

تسخیرِ جنات کا مسئلہ

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا، اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے، تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا، جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابو ہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن خطاب، ابو ایوب انصاری، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے۔ مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم

تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابلِ غور ہے، کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ قاضی بدرالدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انھوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" لکھی ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہلِ فارس جمشید بن اونجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں، کہ انھوں نے جنات سے خدمت لی ہے۔ اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استخدامِ جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابو نصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے استخدامِ جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں۔ ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کئے اور جو عہد و میثاق سلیمان علیہ السلام نے ان سے لئے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدرالدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیرِ جنات کا عمل کرنیوالے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمالِ کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں، اور اسی لئے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں، جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر ان کے کام کر دیتے ہیں۔ البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعہ سے مسخر کیا تھا، اس میں کوئی بات خلافِ شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان، ص ۱۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لئے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے، اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلماتِ کفریہ یا اعمالِ کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بنا پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں، قاضی بدرالدین نے "آکام المرجان" میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء الٰہیہ یا آیاتِ قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفعِ مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، کیونکہ اگر اس کو کسبِ مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لئے جائز نہیں کہ اس میں استرقاقِ حر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے، جو حرام ہے۔ واللہ اعلم

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ، یعنی ہم نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کی خدمت و اطاعت کا جو حکم دیا ہے اگر ان میں کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ اکثر مفسرین نے اس سے .... آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فرشتہ کو مسلط کر دیا تھا کہ جو جن سلیمان علیہ السلام کی اطاعت میں کوتاہی کرے اس کو آتشین کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا (قرطبی)، اور اس پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوتے ہیں، آگ ان پر کیا اثر کرے گی۔ کیونکہ جنات کے آگ سے بننے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بننے کا مطلب ہے، یعنی عنصر غالب انسان کے وجود کا مٹی ہے، مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہونچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے، مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی جل جاتے ہیں۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ، اس آیت میں ان کاموں کی کچھ تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔ محاریب، محراب کی جمع ہے جو مکان کے اشرف و اعلیٰ حصہ کو کے لئے بولا جاتا ہے، بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لئے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو بھی محراب کہا جاتا ہے۔ اور لفظ محراب حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے، اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔ اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بناء پر محراب کہتے ہیں، اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔

مساجد میں محراب کے لئے مستقل مکان بنانے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرونِ اُولیٰ کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا۔ اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے۔ نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوارِ قبلہ میں گہری کر کے بنادی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہوسکیں، چونکہ یہ طریقہ قرونِ اُولیٰ میں نہ تھا، اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الاراتیب فی بدعۃ المحاریب لکھا ہے۔ اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہوسکتا ہے۔

مسئلہ: جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں، تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہوسکے، ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو، اور سب مقتدی دوسرے مکان میں۔ بعض مساجد کی محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصر سی صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے، ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہوجانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

تماثیل، تمثال کی جمع ہے۔ قاموس میں ہے کہ تمثال بفتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء، تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی رُوح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں، ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ۔ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اوّل تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے

یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم کے لئے عام تھیں۔ دوسرے تاریخی روایات میں تختِ سلیمان پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے۔

شرعِ اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت

آیتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جان داروں کی تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام نہیں تھا، مگر چونکہ پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لئے رکھا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گذاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہوجائیگی مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصویروں کو اپنا معبود بنالیا، اور بت پرستی شروع ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی اُمتوں میں جانداروں کی تصاویر بُت پرستی کا ذریعہ بن گئیں، شریعت اسلام کے لئے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بُت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھادیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔ ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ و متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید، فروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ شریعتِ اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

حرمتِ تصویر پر ایک عام شبہ اور اس کا جواب

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں تصاویر کو جس حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا وہ ذریعہ بت پرستی بن سکتی تھی، لیکن آجکل تصویر سے جس طرح کے کام لئے جاتے ہیں، ملزموں کی شناخت، تجارتوں کے خاص مارک، دوستوں عزیزوں سے ملاقات، واقعات و حالات کی تحقیق میں امداد وغیرہ جس کی وجہ سے وہ ضروریاتِ زندگی میں داخل کرلی گئی ہے

اس میں بت پرستی اور عبادت کا کوئی تصور دور دور نہیں، تو یہ ممانعت جو بت پرستی کے خطرہ سے کی گئی تھی اب مرتفع ہو جانی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اوّلاً یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آجکل تصویر ذریعۂ بت پرستی نہیں رہی، آج بھی کتنے فرقے اور گروہ ہیں جو اپنے پیر و دل کی تصویر کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اور جو حکم کسی علت پر دائر ہو، یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر فرد میں پایا جائے۔ اس کے علاوہ تصویر کی ممانعت کا سبب صرف ایک یہی نہیں کہ وہ بت پرستی کا ذریعہ ہے، بلکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حرمت کی دوسری وجوہ بھی مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے، مُصَوِّر حق تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے، اور صورت گری درحقیقت اسی کے لئے سزاوار اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے کروڑوں افراد ہوتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، انسان ہی کو لے لو تو مرد کی صورت اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز، پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہوتے۔ ایسے کھلے ہوئے امتیازات ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو کسی تامل اور غور و فکر کے بغیر ہی امتیاز واضح ہو جاتا ہے یہ صورت گری اللہ رب العزت کے سوا کس کی قدرت میں ہے، جو انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا نقوش اور رنگ سے اس کی تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے۔ اسی لئے صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری نقل اتاری تو اس کو مکمل کر کے دکھلاؤ، اگر تمہارے بس میں ہو کہ ہم نے تو صرف صورت ہی نہیں بنائی اس میں روح بھی ڈالی ہے، اگر تمھیں اس تخلیق کا دعویٰ ہے تو اپنی بنائی ہوئی صورت میں رُوح بھی ڈال کر دکھلاؤ۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت و طاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ "خانۂ خالی را دیو می گیرد" یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویں دنیا کی زائد از ضرورت زینت ہیں، اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعتِ اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں، بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دیدیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانونِ شرعی نہیں بدل سکتا۔

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ، یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

اور بعض روایاتِ حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ الحدیث، یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایاتِ حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" میں جمع کر دیئے ہیں، اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے، کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے، جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آجاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے۔ جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اُس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائدار نہ بنا لیا جائے، جیسے آئینہ یا پانی میں اپنا عکس جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں گے ختم ہو جائے گا، اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائدار بنا دیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی، جس کی حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ فوٹو کی مفصل بحث بھی رسالہ مذکور التصویر میں لکھدی گئی ہے۔

جِفَانٍ، جَفْنَةٌ کی جمع ہے، جو پانی کے بڑے برتن جیسے تشلا یا ٹب وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ کَالْجَوَابِ، جَابِیَة کی جمع ہے، چھوٹے حوض کو جابیہ کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پانی بھرنے کے بڑے برتن ایسے بناتے تھے جس میں چھوٹے حوض کے برابر پانی آتا ہے۔ قُدُوْرٍ قِدْر بکسر القاف کی جمع ہے، ہنڈیا کو کہا جاتا ہے۔

وَّ رَاسِیٰتٍ، اپنی جگہ ٹھہری ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اتنی وزنی اور بڑی دیگیں بناتے تھے جو ہلائے نہ ہلیں، اور ممکن ہے کہ یہ دیگیں پتھر سے تراش کر پتھر ہی کے چولھوں پر لگی ہوئی بناتے ہوں جو ناقابل حمل ونقل ہوں۔ امام تفسیر ضحاک نے قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ کی یہی تفسیر کی ہے۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ، حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے نوازا اور مخصوص انعامات عطا فرمائے، ان کا بیان فرمانے کے بعد ان کو مع ان کے اہل وعیال کے شکر گذاری کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔

شکر کی حقیقت اور اس کے احکام

قرطبی نے فرمایا کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتراف کرے کہ یہ نعمت فلاں منعم نے دی ہے، اور پھر اس کو اس کی طاعت ومرضی کے مطابق استعمال کرے، اور کسی کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح عمل سے بھی شکر ہوتا ہے، اور عملی شکر اس نعمت کا منعم کی طاعت ومرضی کے مطابق استعمال ہے ... اور ابو عبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا کہ نماز شکر ہے، روزہ شکر ہے اور ہر نیک کام شکر ہے، اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ شکر تقویٰ اور عملِ صالح کا نام ہے۔ (ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں قرآن حکیم نے حکم شکر کے لئے مختصر لفظ اُشْكُرُوْنِيْ کے بجائے اِعْمَلُوْٓا شُكْرًا استعمال فرما کر شاید اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ آلِ داؤد سے مطلوب شکرِ عملی ہے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور ان کے خاندان نے قول وعمل دونوں سے اس طرح کی کہ ان کے گھر میں کوئی وقت ایسا نہ گذرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد اللہ کی عبادت میں نہ لگا ہوا ہو۔ افرادِ خاندان پر اوقات تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا مصلیٰ کسی وقت نماز پڑھنے والے سے خالی نہ رہتا تھا۔ (ابن کثیر)

بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز وں میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤد علیہ السلام کی ہے، وہ نصف رات سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤد علیہ السلام ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کر سکتا ہوں جب کہ میرا شکر قولی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلْاٰنَ شَكَرْتَنِيْ يَا دَاوٗدُ، یعنی اے داؤد اب آپ نے شکر ادا کر دیا، کیونکہ حق شکر ادا کرنے سے اپنے عجز وقصور کو سمجھ لیا، اور اعتراف کر لیا۔

حکیم ترمذی اور امام ابوبکر جصاص نے حضرت عطاء بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کرلے تو جو فضیلت آلِ داؤد کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رضا اور غضب کی دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا، اور غنا اور فقر کی دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا، اور خفیہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔ (قرطبی، احکام القرآن، جصاص)

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ، شکر کے حکم اور تاکید کے بعد اس واقعہ کا بھی اظہار فرما دیا کہ میرے بندوں میں شکر گذار کم ہی ہوں گے۔ اس میں بھی مومن کے لئے تنبیہ اور تحریض ہے شکر پر۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ الآیۃ، آیت میں لفظ مِنْسَاَۃٌ عصاء اور لاٹھی کے معنی میں ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے بمعنی عصاء، اور بعض نے فرمایا کہ عربی لفظ ہے۔ نَسَاٌ کے معنی ہٹانے اور مؤخر کرنے کے ہیں، لاٹھی کے ذریعے انسان مضر چیزوں کو ہٹاتا ہے، اس لئے اس کو مِنْسَاَۃٌ کہا گیا، یعنی ہٹانے کا آلہ۔ اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ عجیبہ بیان فرما کر بہت سی عبرتوں اور ہدایتوں کا دروازہ کھول دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ

اس واقعہ میں بہت سی ہدایات ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو ایسی بے مثل حکومت وسلطنت حاصل تھی کہ صرف ساری دنیا پر ہی نہیں بلکہ جنات اور طیور اور ہوا پر بھی ان کی حکومت تھی، مگر ان سب سامانوں کے باوجود موت سے ان کو بھی نجات نہ تھی۔ اور یہ کہ موت

تو مقررہ وقت پر آئی تھی، بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل فرمائی، اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا، اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرتے تھے، ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں، اور تعمیر رہ جائے۔ اس کا انتظام حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذنِ ربانی یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنی محراب میں داخل ہو گئے، جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں، اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لئے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کہ رُوح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے۔ سلیمان علیہ السلام کی رُوح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی، مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ جمے ہوئے باہر سے ایسے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے، یہاں تک کہ سال بھر گذر گیا، اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو فارسی میں دیمک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم نے اس کو دابۃ الارض کے نام سے موسوم کیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا۔ دیمک نے عصا کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصا کا سہارا ختم ہوا تو سلیمان علیہ السلام گر گئے، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے دور دراز کی مسافت چند لمحات میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ بہت سے ایسے حالات و واقعات سے واقف ہوتے تھے، جن کو انسان نہیں جانتے، جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے، خود جنات کو بھی علم غیب کا دعویٰ ہو تو بعید نہیں، موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی۔ خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں، کیونکہ ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت سے ایک سال پہلے ہی باخبر ہو جاتے۔ اور یہ سال بھر کی محنت و مشقت جو ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ آیت کے آخری جملے میں اسی کا بیان ہے فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ، اس میں عذاب مہین سے مراد وہ محنت مشقت کا کام ہے جس پر تعمیر بیت المقدس کی تکمیل کے لئے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے لگا دیا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کی

موت کا یہ عجیب واقعہ کچھ تو خود قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے، باقی تفصیل حضرت ابن عباس وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے جو ابن کثیر وغیرہ سب تفاسیر میں نقل کی گئی ہے۔

اس عجیب واقعہ سے یہ عبرت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں، جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمان علیہ السلام کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرا لیا۔ اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے اسباب و آلات اسی وقت تک اپنا کام کرتے ہیں جب تک منظورِ حق ہوتا ہے، جب منظور نہیں ہوتا تو آلات و اسباب جواب دیدیتے ہیں، جیسے یہاں عصاء کا سہارا دیمک کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔ اور یہ بھی کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر غیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہونے وغیرہ کے اعمالِ عجیبہ کو دیکھ کر کہیں انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعہ موت نے ختم کر دیا، سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہو گئی۔

تقریر مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام نے موت کے وقت اس خاص طریقہ کو دو وجہ سے اختیار کیا تھا، اوّل یہ کہ تعمیر بیت المقدس کا باقی ماندہ کام پورا ہو جائے، دوسرے یہ کہ ان لوگوں پر جنات کی بے خبری اور بے بسی واضح ہو جائے تاکہ ان کی عبادت کا خطرہ نہ رہے۔ (قرطبی)

امام نسائیؒ نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں، جو مقبول ہوئیں۔ ان میں سے ایک دعاء یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوتِ عام دی، اور اس دن کی خوشی منائی، اور صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ "یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے، جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی

بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زیغ اور کجی نہ ڈالئے۔ اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لئے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں۔ ایک یہ کہ جو گناہگار توبہ کرنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔ دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف و خطرہ سے بچنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دیدیں، اور خطرات سے نجات عطا فرمادیں۔ تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں۔ چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کردیں۔ پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظرِ عنایت و رحمت اس پر رکھیں بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات میں مکمل ہو چکا تھا، مگر جو واقعہ اوپر مذکور ہوا ہے وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ اصل تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی تعمیرات میں کچھ کام رہا کرتے ہیں وہ باقی ہوں ان کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ تدبیر اختیار کی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ موت کے بعد عصا کے سہارے حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال کھڑے رہے۔ (قرطبی) اور بعض روایات میں ہے کہ جب جنات کو یہ معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کی موت کو عرصہ ہوگیا ہم بے خبر رہے تو مدتِ موت معلوم کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک لکڑی پر دیمک چھوڑ دی، ایک دن رات میں جتنی لکڑی دیمک نے کھائی اس سے حساب لگالیا کہ عصائے سلیمانی پر ایک سال اس طرح گذرا ہے۔

فائدہ: بغوی نے علماء تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر کل ترپن سال کی ہوئی، اور ان کی سلطنت و حکومت چالیس سال رہی، تیرہ سال کی عمر میں سلطنت کا کام سنبھال لیا تھا، اور بیت المقدس کی تعمیر اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں شروع کی تھی (مظہری، قرطبی)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ

تحقیق قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی، دو باغ داہنے اور بائیں،

كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾

کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو، شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشنے والا۔

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ

سو دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر ایک نالا زور کا اور دیئے ہم نے انکو بدلے ان دو

جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ

باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ کسیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے - یہ بدلہ

جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾ وَجَعَلْنَا

دیا ہم نے اُن کو اس پر کہ ناشکری کی، اور ہم یہ بدلہ اُسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔ اور رکھی تھیں ہم نے

بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا

ان میں اور ان بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر

فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا

کردیں ہم نے انہیں آنے جانے کی پھرو ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے - پھر کہنے لگے اے رب

بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ

دراز کردے ہمارے سفروں کو اور آپ اپنا برا کیا پھر کر ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں،

وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

اور کر ڈالا چیر کر ٹکڑے ٹکڑے اس میں پتے کی باتیں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کو۔

خلاصۂ تفسیر

سبا (کے لوگوں) کے لئے (خود) اُن کے وطن (کی مجموعی حالت) میں (وجوب اطاعت خداوندی کی) نشانیاں موجود تھیں (ان میں سے ایک نشانی) دو قطاریں تھیں باغ کی (ان کی سڑک کے) داہنے اور بائیں (یعنی ان کے تمام علاقہ میں دو طرفہ متصل باغات چلے گئے تھے کہ جس میں آمدنی بھی وافر پھل بھی اس قدر کہ ختم کئے ختم نہ ہوں، سایہ بھی رونق بھی ہم نے انبیاء علیہم السلام و ناصحین کی معرفت ان کو حکم دیا کہ) اپنے رب کا (دیا ہوا)

رزق کھاؤ اور (کھا کر) اس کا شکر کرو (یعنی اطاعت کرو کہ دو قسم کی نعمتیں مقتضیٔ اطاعت ہیں، ایک دنیوی کہ رہنے کو) عمدہ شہر اور (دایک اُخروی کہ درصورت ایمان واطاعت کے اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو گناہ بخشنے کو) بخشنے والا پروردگار ہے (پس ایسے مقتضیٔ پر مقتضا کا ترتب ضرور ہونا چاہئے) سو (اس پر بھی) انھوں نے (اس حکم سے) سرتابی کی (شاید یہ لوگ آفتاب پرست بھی ہوں جیسے بعض کی نسبت سورۂ نمل میں ہے وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ) تو ہم نے (اُن پر اپنا قہر اس طرح نازل کیا کہ اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا (یعنی جو سیلاب بند سے رُکا رہتا تھا بند ٹوٹ کر اس سیلاب کا پانی چڑھ آیا جس سے اُن کے وہ دو رویہ باغات سب غارت ہو گئے) اور ہم نے ان کے ان دو رویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیدیئے جن میں یہ چیزیں رہ گئیں، بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری (اور وہ بھی شہری نہیں جنگلی خود رو جس میں کانٹے بہت اور پھل میں لطافت ندارد) ان کو یہ سزا ہم نے اُن کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں (ورنہ معمولی خطاؤں پر تو ہم درگذر ہی کرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کفر سے بڑھ کر کیا ناسپاسی ہوگی جس میں وہ مبتلا تھے)۔

اور (اس نعمت مذکورہ عامہ للمساکن کے علاوہ ایک اور نعمت خاص متعلق سفر کے تھی وہ یہ کہ) ہم نے ان کے اور اُن بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے (باعتبار پیداوار وغیرہ کے) برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو (سڑک پر سے) نظر آتے تھے (کہ مسافر کو سفر میں بھی وحشت نہ ہو اور کہیں ٹھہرنا چاہے تو وہاں جانے میں تکلف و تردد بھی نہ ہو) اور ہم نے ان دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا (یعنی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک چال کے حساب سے ایسا مناسب فاصلہ رکھا تھا کہ دورانِ سفر میں عادت کے مطابق آرام کرے، وقت پر کوئی نہ کوئی گاؤں مل جاتا جہاں کھا پی سکے آرام کر سکے کہ بے خوف و خطر اُن میں (چاہو) راتوں کو اور (چاہو) دنوں کو چلو (یعنی نہ خطرہ رہزن کا کہ پاس پاس گاؤں تھے نہ خطرہ آب و دانہ وزادِ راہ کے میسّر نہ ہونے کا کہ ہر جگہ ہر سامان ملتا تھا) سو (ان نعمتوں کی انھوں نے جیسے اصلی شکر گذاری یعنی طاعتِ الٰہیہ نہیں کی، ایسے ہی ظاہری شکر گذاری یعنی نعمتِ الٰہیہ کو غنیمت سمجھنا اور اس کی قدر کرنا ہے وہ بھی نہیں کی چنانچہ) وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار (ایسے پاس پاس دیہات ہونے سے سفر کا لطف نہیں آتا، لطف تو اسی میں ہے کہ کہیں زادِ راہ ختم ہو گیا کہیں پیاس ہے اور پانی نہیں ملتا، اشتیاق ہے انتظار ہے کہیں چوروں کا اندیشہ ہے، نوکر پہرہ دے رہے ہیں، ہتھیار بندھے ہوئے ہیں، جیسے

بنی اسرائیل مَنّ وسَلْویٰ سے اُکتا گئے تھے اور بقل وقثاء (ترکاری اور ککڑی کھیرے) کی درخواست کی تھی ونیز اس حالتِ موجودہ میں ہم کو اپنی امارت کے اظہار کا موقع بھی نہیں ملتا، امیر غریب سب یکساں سفر کرتے ہیں، اسی لئے یوں جی چاہتا ہے کہ) ہمارے سفروں میں درازی (اور فاصلہ) کر دے (یعنی بیچ کے دیہات اجاڑ دے کہ منزلوں میں خوب فاصلہ ہو جائے) اور (علاوہ اس ناشکری کے) انھوں نے (اور بھی نافرمانیاں کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا سو ہم نے انکو افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا (یا تو اس طرح کہ بعض کو ہلاک کر دیا کہ ان کے قصے ہی رہ گئے اور بعض کو پریشان کر دیا اور یا بحیثیت اس حالت تنعّم کے سب ہی افسانہ ہو گئے، یعنی وہ سامانِ تنعّم سب کا جاتا رہا اور یا بایں معنی کہ ان کی حالت کو عبرت بنا دیا ای جعلناهم ذات حكايات يعتبر بها، غرض خود ان کے مساکن و باغات بھی اور انکی وہ متصل بستیاں بھی سب ویران ہو گئے) بے شک اس (قصہ) میں ہر صابر شاکر (یعنی مؤمن) کے لئے بڑی بڑی عبرتیں ہیں۔

معارف ومسائل

منکرینِ نبوت ورسالت اور منکرینِ قیامت کو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر متنبہ کرنے اور انبیاء سابقین کے ہاتھوں فوق القیاس حیرت انگیز واقعات ومعجزات کے صدور کے سلسلے میں پہلے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے واقعات کا ذکر فرمایا، اب اسی سلسلہ میں قوم سبا پر اللہ کے بے حساب انعامات کا پھر ان کی ناشکری کی وجہ سے ان پر عذاب آنے کا ذکر آیاتِ مذکورہ میں کیا گیا۔

قوم سبا اور ان پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات

ابن کثیر نے فرمایا کہ سبا یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے۔ تبابعہ جو اس ملک کے مقتداء وپیشوا تھے وہ بھی اسی قوم سبا میں سے تھے، اور ملکہ بلقیس جن کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سورۂ نمل میں گذر چکا ہے وہ بھی اسی قوم میں سے تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، اور اُن کے شہر میں آرام وعیش کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے، اور اپنے انبیاء کے ذریعے ان کو اللہ کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت کے ذریعہ نعمتوں کے شکر کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک مدت تک یہ لوگ اس حال پر قائم اور ہر طرح کی راحت وعیش سے مالا مال رہے، پھر ان میں عیش وعشرت میں انہماک، خدا تعالیٰ سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہونچ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے اپنے تیرہ انبیاء بھیجے

جنھوں نے ان کی فہمائش اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی، مگر یہ لوگ اپنی غفلت و بے ہوشی سے باز نہ آئے تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا جس نے ان کے شہر اور باغات سب کو ویران و برباد کر دیا۔ (رواہ محمد بن اسحٰق، ابن کثیر)

امام احمدؒ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سَبَا جس کا قرآن میں ذکر ہے یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا زمین کے کسی حصہ کا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے، جن میں سے چھ یمن میں آباد رہے، اور چار شام میں چلے گئے یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں (۔ مذحج، کِندہ، اَزد، اشعری، انمار، حِمیَر، (ان چھ لڑکوں سے چھ قبیلے پیدا ہوئے، جو انہی مذکورہ ناموں سے معروف ہیں)۔

اور شام میں بسنے والوں کے نام یہ ہیں لَخم، جُذام، عاملہ، غسّان، (ان کی نسل کے قبائل انہی ناموں سے مشہور ہوئے)۔ یہ روایت حافظ امام ابن عبدالبر نے بھی اپنی کتاب (القصد والامم بمعرفۃ انساب العرب والعجم) میں نقل کی ہے۔

ابن کثیر کی تحقیق بحوالہ علماء نسب یہ ہے کہ یہ دس لڑکے سَبا کے صلبی اور بلاواسطہ بیٹے نہیں تھے، بلکہ سَبا کی دوسری تیسری یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر ان کے قبیلے شام و یمن میں پھیلے، اور انہی کے ناموں سے موسوم ہوئے۔ اور سَباء کا اصل نام عبدشمس تھا، سَباء عبدشمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان سے ان کا نسب نامہ واضح ہوجاتا ہے۔ اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سَباء عبدشمس نے اپنے زمانے میں نبی آخر الزمان محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی تھی ممکن ہے کہ ان کو اس کا علم کتب قدیمہ تورات و انجیل سے ہوا ہو یا نجومیوں کاہنوں کے ذریعہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس نے چند عربی اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپ کی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں ان کی مدد کرتا، اور اپنی قوم کو ان پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔

اور حدیث مذکور میں جو یہ مذکور ہے کہ سَبا۔ کے دس لڑکوں میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے، چار شام کی طرف چلے گئے، یہ واقعہ ان پر سیلاب کا عذاب آنے کے بعد کا ہے، کہ سیلاب آنے کے وقت یہ لوگ مختلف سمتوں اور شہروں میں منتشر ہوگئے (ابن کثیر) قرطبی نے بحوالہ قشیری قوم سَباء کا زمانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت نقل کیا ہے۔

سیلِ عرم اور سدِّ مآرب

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ، لفظ عَرِم کے عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی معروف ہیں، اور علماء تفسیر نے ہر معنی کے اعتبار سے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے، مگر ان میں سیاق قرآن کے مناسب وہ معنی ہیں جو قاموس اور صحاح جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں کہ عَرِم کے معنی سدّ یعنی بند کے ہیں جو پانی روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے جو آجکل ڈیم کے نام سے معروف ہے، حضرت ابن عباسؓ نے بھی عَرِم کے معنی سدّ یعنی بند کے بیان فرمائے ہیں (قرطبی)

واقعہ اس بند (ڈیم) کا حسب بیان ابن کثیرؒ یہ ہے کہ ملک یمن میں اس کے دارالحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مآرب تھا جس میں قوم سَباء آباد تھی۔ دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں شہر آباد تھا، دونوں پہاڑوں کے درمیان سے اور پہاڑوں کے اوپر سے بارش کا سیلاب آتا تھا، یہ شہر ہمیشہ ان سیلابوں کی زد میں رہتا تھا۔ ایک شہر کے بادشاہوں نے (جن میں ملکہ بلقیس کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے) ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک بند (ڈیم) نہایت مستحکم مضبوط تعمیر کیا جس میں پانی اثر نہ کر سکے۔ اس بند نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے سیلابوں کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا، پہاڑوں کی بارش کا پانی بھی اس میں جمع ہونے لگا، اس بند کے اندر اوپر نیچے پانی نکالنے کے لئے تین دروازے رکھے گئے تاکہ پانی کا یہ ذخیرہ انتظام کے ساتھ شہر کے لوگوں کے اور ان کی زمین و باغ کی آب پاشی کے ... کام آوے۔ پہلے اوپر کا دروازہ کھول کر اس سے پانی لیا جاتا تھا جب اوپر کا پانی ختم ہوجاتا تو اس سے نیچے کا اور اس کے بعد سب سے نیچے کا تیسرا دروازہ کھولا جاتا تھا، یہاں تک کہ دوسرے سال کی بارشوں کا زمانہ آ کر پھر پانی اوپر تک بھر جاتا۔ بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا، جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر بارہ نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہونچائی گئی تھیں، اور سب نہروں میں پانی یکساں انداز میں چلتا اور شہر کی ضرورتوں میں کام آتا تھا (مظہری)

شہر کے داہنے بائیں جو دو پہاڑ تھے ان کے کناروں پر باغات لگا دیے گئے تھے جن میں پانی کی نہریں جاری تھیں، یہ باغات ایک دوسرے کے متصل مسلسل دو رویہ پہاڑوں کے کناروں پر تھے، یہ باغات اگرچہ تعداد میں بہت تھے، مگر قرآن کریم نے ان کو جَنَّتَانِ یعنی دو باغ کے لفظ سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ ایک رُخ کے تمام باغوں کو بوجہ اتصال کے ایک باغ اور دوسرے رُخ کے تمام باغوں کو دوسرا باغ قرار دیا ہے۔ ان باغوں میں ہر طرح کے درخت اور ہر قسم کے پھل اس کثرت سے پیدا ہوتے تھے

کہ ائمہ سلف قتادہ وغیرہ کے بیان کے مطابق ان باغوں میں ایک عورت اپنے سر پر خالی ٹوکری لے کر چلتی تو درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پھلوں سے خود بخود بھر جاتی تھی، اس کو ہاتھ بھی لگانا نہ پڑتا تھا (ابن کثیر)

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ، حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس رزق وسیع کو استعمال کرو اور اس کی شکر گذاری اعمالِ صالحہ اور اطاعتِ احکامِ الٰہیہ کے ساتھ کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس شہر کو بلدۂ طیبہ بنایا ہے، جس میں سردی گرمی کا بھی اعتدال تھا اور آب و ہوا ایسی صحت بخش نظیف ولطیف تھی کہ ان کے پورے شہر میں مچھر، مکھی، پسو اور سانپ بچھو جیسے موذی جانوروں کا نام و نشان نہ تھا، بلکہ باہر سے آنے والے مسافر جب اس شہر میں پہونچتے تو اگر ان کے کپڑوں میں جوئیں یا دوسرے موذی حشرات ہوتے تھے وہ یہاں پہونچکر خود بخود مر جاتے تھے (ابن کثیر)

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ کے ساتھ رَبٌّ غَفُوْرٌ، فرما کر اپنی نعمت کو اس طرح مکمل کر دیا کہ یہ عیش و راحت صرف دنیا کی زندگی تک نہیں، بلکہ اگر تم شکر گذاری پر قائم رہے تو آخرت میں اس سے بڑی اور دائمی نعمتوں کا بھی وعدہ ہے، کیونکہ ان تمام نعمتوں کا خالق و مالک اور تمہیں پالنے والا غفور ہے، کہ اگر کبھی اتفاقی طور پر شکر گذاری میں کمی یا غفلت و کوتاہی بھی ہو گئی تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ، یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی وسیع نعمتوں اور انبیاء علیہم السلام کی تنبیہات کے باوجود جب قوم سبا کے لوگوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور روگردانی کی تو ہم نے اُن پر سیلِ عَرِم چھوڑ دیا۔ عرم کے معنی اوپر گذر چکے ہیں کہ بند کے ہیں اس سیلاب کو عرم کی طرف اس لئے منسوب کیا کہ جو عَرِم ان کی حفاظت اور خوش حالی کا ذریعہ تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آفت و مصیبت بنا دیا۔ واقعہ اس کا حضرت ابن عباسؓ، وہب بن منبہ، قتادہ، ضحاک وغیرہ ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سزا دینے کے لئے سدِّ مآرب یعنی عرم کو توڑ کر سیلاب سے تباہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کر دیئے جنھوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا۔ جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ نے اس کمزور بنیاد کو توڑ کر رخنے پیدا کر دیئے، اور بالآخر اس بند کے پیچھے جمع شدہ پانی اس پوری وادی میں پھیل گیا جس میں یہ شہر مآرب واقع تھا۔ تمام مکانات منہدم اور درخت تباہ ہو گئے، اور دو طرفہ پہاڑوں پر

جو باغات تھے ان کا پانی خشک ہو گیا۔

وہب بن منبہؒ کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی کتابوں میں یہ بات لکھی چلی آتی تھی کہ اس بند کی خرابی و تباہی چوہوں کے ذریعہ ہوگی، جب لوگوں نے اس بند کے قریب چوہوں کو دیکھا تو خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کی تدبیر یہ کی گئی کہ بند کے نیچے بہت سی بلیاں پالی گئیں جو چوہوں کو بند کے قریب نہ آنے دیں مگر جب تقدیر الٰہی نافذ ہوئی تو یہ چوہے بلیوں پر غالب آ گئے اور بند کی بنیاد میں داخل ہو گئے (ابن کثیر)

اور تاریخی روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ ہوشیار و دور اندیش لوگوں نے چوہوں کو دیکھتے ہی یہ جگہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف منتقل ہو جانے کا قصد کر لیا اور تدریجاً انتظام کر کے نکل گئے، باقی لوگ وہاں رہے، مگر جب سیلاب شروع ہوا، اس وقت منتقل ہو گئے، اور بہت سے وہیں سیلاب کی نذر ہو گئے۔ غرض یہ پورا شہر تباہ و برباد ہو گیا، شہر کے کچھ باشندے جو دوسرے ملکوں میں شہروں کی طرف چلے گئے، اُن کی کچھ تفصیل مسند احمد کی حدیث میں جو اوپر گذر چکی ہے مذکور ہے۔ چھ قبیلے ان کے یمن میں پھیلے اور چار شام میں، مدینہ طیبہ کی آبادی بھی انہی قبائل میں سے بعض سے شروع ہوئی، جس کی تفصیل کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ سیلاب آنے اور شہر تباہ ہونے کے بعد دور دیہ باغات کا جو حال ہوا وہ آگے اس طرح ذکر فرمایا کہ:

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے قیمتی پھلوں اور میووں کے درختوں کے بدلے اس میں ایسے درخت اُگا دیئے جن کے پھل بدمزہ خراب تھے۔ لفظ خَمْط کے معنی اکثر حضرات مفسرین درخت اراک کے کہتے ہیں، اور جوہری لغوی نے لکھا ہے کہ درخت اراک کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس پر کچھ پھل ہوتا ہے اور کھایا جاتا ہے، مگر اس درخت کے پھل بھی بدمزہ تھے۔ اور ابو عبیدہؒ نے فرمایا کہ خَمْط ہر ایسے درخت کو کہا جاتا ہے جو خاردار بھی ہو کڑوا بھی۔ اور لفظ اَثْل جمہور مفسرین کے نزدیک ایک قسم طرفاء کی ہے، جس کو اردو میں جھاؤ کہا جاتا ہے۔ اس پر کوئی پھل کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ اَثْل بمعنی سَمُر یعنی ببول اور کیکر کا درخت جو خاردار ہوتا ہے جس کا پھل بکریوں کو کھلایا جاتا ہے۔

سِدْر کے معنی بیری کے ہیں۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے، ایک وہ جو باغات میں اہتمام سے لگائی جاتی ہے، اس کا پھل شیریں خوش ذائقہ ہوتا ہے، اس کے درخت میں کانٹے کم اور پھل زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری قسم جنگلی بیری کی ہے جو جنگلوں میں خود رو اور خاردار جھاڑیاں ہوتی ہیں ان میں کانٹے زیادہ اور پھل کم ہوتا ہے، اور پھل بھی ترش ہوتا ہے۔ آیت مذکورہ میں

بِسَدرٍ کے ساتھ قَلِیْلٍ کے لفظ سے غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ بیری بھی جنگلی خود رو تھی جس پر پھل کم اور ترش ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا، یعنی یہ سزا ہم نے ان کو اس لئے دی کہ انھوں نے کفر کیا۔ کفر کے معنی ناشکری کے بھی آتے ہیں، اور دین حق سے انکار کے بھی آتے ہیں۔ یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں، کیونکہ انھوں نے ناشکری بھی کی اور جو تیرہ انبیاء اُن کی طرف بھیجے گئے تھے ان کی تکذیب بھی کی۔

فائدہ: اس واقعہ میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ سبا کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے تیرہ پیغمبر بھیجے تھے، اور اس کے ساتھ یہ بھی اوپر گذر گیا ہے کہ اس قوم اور سیلِ عرم کا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے درمیانی زمانے میں تھا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے، اور جمہور علماء کے نزدیک اس زمانے میں کوئی نبی پیغمبر مبعوث ہی نہیں ہوا، اسی لئے اس کو فترت کے زمانے سے تعبیر کرتے ہیں، تو یہ تیرہ انبیاء کی بعثت کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ روح المعانی میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ واقعہ سیلِ عرم کا فترت کے زمانے میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ انبیاء بھی اسی زمانے میں آئے ہوں، ہوسکتا ہے کہ انبیاء کی بعثت اس قوم کی طرف زمانۂ فترت سے پہلے ہو اور ان کی سرکشی اور کفر زمانۂ فترت میں بڑھی ہو جس پر سیلِ عرم کا عذاب زمانۂ فترت میں اُن پر بھیجا گیا ہو واللہ اعلم

وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ، کَفُوْر، کافر کا صیغہ مبالغہ ہے، جس کے معنی ہیں بہت کفر کرنے والا اور آیت کے معنی یہ ہوئے کہ "ہم بہت کفر کرنے والے کے سوا کسی کو سزا نہیں دیتے" یہ بظاہر اُن تمام آیاتِ قرآن اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے جن سے ثابت ہے کہ مسلمان گناہگاروں کو بھی جہنم کی سزا اُن کے عمل کے مطابق دی جائے گی، اگرچہ آخر کار سزا بھگتنے کے بعد وہ ایمان کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔ اس اشکال کے جواب میں بعض حضرات نے فرمایا کہ مراد یہاں مطلق عذاب نہیں، بلکہ ایسا عذاب عام جیسا قوم سبا پر بھیجا گیا یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمان گناہگاروں پر ایسا عذاب نہیں آتا (روح)

اس کی تائید ایک تابعی ابن خیرہؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا جَزَآءُ الْمَعْصِيَةِ الْوَهْنُ فِي الْعِبَادَةِ وَالضِّيْقُ فِي الْمَعِيْشَةِ وَالتَّعَسُّرُ فِي اللَّذَّةِ قَالَ لَا يُصَادِفُ لَذَّةً حَلَالًا اِلَّا جَآءَهٗ مَنْ يُّنَغِّصُهٗ اِيَّاهَا، یعنی معصیت کی سزا یہ ہے کہ عبادت میں سستی پیدا ہوجائے، معیشت میں تنگی پیدا ہوجائے، اور لذت میں تعسر یعنی دشواری پیدا ہوجائے۔ جس کا مطلب ابن خیرہؒ نے یہ بیان فرمایا کہ جب اس کو کوئی حلال لذت نصیب ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی ایسا سبب پیدا ہوجاتا ہے جو اس لذت کو مکدر کردیتا ہے" (ابن کثیرؒ) معلوم ہوا کہ مومن گناہگار کی سزائیں دنیا میں اس قسم کی ہوتی ہیں، اس پر آسمان سے یا زمین سے کوئی کھلا عذاب نہیں آتا، یہ کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:- صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ لَا يُعَاقَبُ بِمِثْلِ فِعْلِهٖ اِلَّا الْكَفُوْرُ، یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ بُرے عمل کی سزا اس کے برابر بجز کفور کے کسی کو نہیں دی جاتی۔ (ابن کثیرؒ) کیونکہ غیر کفور یعنی مومن کو اس کے گناہوں میں بھی کچھ چھوٹ دی جاتی ہے۔

اور روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی توجیہ یہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا کے تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مومن گناہگار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح مومن کو بھی اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لئے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور جب یہ ہوچکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہوجاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیا جاتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ الاٰیۃ، اس آیت میں اہل سبا پر اللہ تعالیٰ کی ایک اور نعمت کا اور اس پر اہل سبا کی ناشکری اور نادانی کا ذکر ہے کہ انھوں نے خود اس نعمت کو بدل کر شدت کی دعا اور تمنا کی۔ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا سے مراد بظاہر ملک شام کے دیہات ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ رحمت کا ذکر متعدد آیتوں میں ملکِ شام ہی کے لئے آیا ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے صاحب برکت بنایا تھا یعنی ملکِ شام کی بستیاں اور ان لوگوں کو اپنی تجارت وغیرہ کے لئے ملکِ شام کا سفر اکثر کرنا پڑتا تھا۔ عام دنیا کے حالات کے مطابق شہر مآرب سے ملکِ شام کا طویل فاصلہ ہے، راستے ہموار نہیں اللہ تعالیٰ نے قوم سبا پر یہ انعام فرمایا کہ ان کے شہر مآرب سے لے کر ملکِ شام تک تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بستیاں بنادی تھیں، یہ بستیاں لب سڑک تھیں۔ اس لئے ان کو قری ظاہرہ فرمایا۔ ان مسلسل بستیوں کا فائدہ یہ تھا کہ ان کا مسافر گھر سے نکل کر دوپہر میں آرام کرنا یا کھانا کھانا چاہتا تو آسانی سے کسی بستی میں پہونچ کر معمول کے مطابق

کھانا کھا کر آرام کر سکتا تھا۔ پھر اسی طرح ظہر کے بعد روانہ ہو کر آفتاب کے غروب ہونے تک اگلی بستی میں پہونچ کر رات گزار سکتا تھا، قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ الآیہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بستیاں ایسے متوازن اور مساوی فاصلوں پر بنائی گئی تھیں کہ ایک مقررہ وقت کے اندر ایک بستی سے دوسری بستی تک پہونچ جاتے۔

سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ، یہ ایک تیسری نعمت کا ذکر ہے جو قوم سبا پر مبذول ہوئی تھی، کہ اس کی بستیاں ایسے مساوی اور متوازن فاصلوں پر تھیں کہ قطع مسافت میں کمی بیشی نہ ہوتی تھی، اور راستے سب مامون تھے، کسی چور ڈاکو کا وہاں گذر نہ تھا، رات دن میں ہر وقت بے فکر سفر کیا جا سکتا تھا۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ، یعنی ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی کہ سفر کی تکلیف ہی نہ رہے ناقدری اور ناشکری کر کے خود یہ دعاء مانگی کہ ہمارے سفر میں بُعد پیدا کر دے، قریب قریب کے گاؤں نہ رہیں، جنگل بیابان آئے، جس میں کچھ محنت مشقت بھی اٹھانی پڑے۔ اُن کی مثال وہی ہے جو بنی اسرائیل کی تھی کہ بے محنت بہترین رزق منّ و سلویٰ ان کو ملتا تھا، اس سے اکتا کر اللہ سے یہ مانگا کہ اس کے بجائے ہمیں سبزی ترکاری دیدیجئے، حق تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور نعمت کی بے قدری پر وہ سزا جاری فرمائی جو اوپر سَیلِ عَرِم کے عنوان سے مذکور ہوئی ہے، اسی کا آخری نتیجہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ دنیا میں ان کی عیش و عشرت اور دولت و نعمت کے قصّے ہی رہ گئے، اور یہ لوگ افسانہ بن گئے۔

مَزَّقْنَاهُمْ، تمزیق سے مشتق ہے، جس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس مقام شہر مآرب کے بسنے والے کچھ ہلاک ہو گئے، کچھ ایسے منتشر ہو گئے کہ اُن کے ٹکڑے مختلف ملکوں میں پھیل گئے، عرب میں قوم سبا کی تباہی اور منتشر ہونا ایک ضرب المثل بن گیا، ایسے مواقع میں عرب کا محاورہ ہے تَفَرَّقُوا أَيَادِي سَبَا، یعنی یہ لوگ ایسے منتشر ہوئے جیسے قوم سبا کے نعمت پر وردہ لوگ منتشر ہو گئے تھے۔

ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے اس جگہ طویل قصہ ایک کاہن کا نقل کیا ہے، کہ سیلاب کا عذاب آنے سے کچھ پہلے اس کاہن کو اس کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک عجیب تدبیر کے ذریعہ پہلے تو اپنی زمین جائداد مکان وغیرہ سب فروخت کر دیا، جب رقم اس کے ہاتھ آ گئی تو اس نے اپنی قوم کو آنے والے سیلاب و عذاب سے باخبر کیا، اور کہا کہ جس کو اپنی جان سلامت رکھنا ہو وہ فوراً یہاں سے نکل جائے۔ اس نے لوگوں کو یہ بھی بتلایا کہ تم میں جو لوگ سفر بعید

اختیار کر کے محفوظ مقام کا ارادہ کریں، وہ عمان چلے جائیں اور جو لوگ شراب اور خمیری روٹی اور پھل وغیرہ چاہیں وہ ملک شام کے مقام بُصریٰ میں چلے جائیں، اور جو لوگ ایسی سواریاں چاہیں جو کیچڑ میں ثابت قدم رہیں، اور قحط کے زمانے میں کام آئیں، اور جلدی سفر کی ضرورت کے وقت ساتھ دیں تو وہ یثرب (مدینہ منورہ) چلے جائیں جس میں کھجور کثرت سے ہے۔ اس کی قوم نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ قبیلۂ اَزد عمان کی طرف چلے گئے اور غسان بُصریٰ ملک شام کی طرف اور اوس و خزرج اور بنو عثمان یثرب ذات النخل کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ بطن مَر کے مقام پر پہونچ کر بنو عثمان نے تو اسی جگہ کو پسند کر لیا اور یہیں رہ پڑے، اور اسی انقطاع کی وجہ سے بنو عثمان کا لقب خزاعہ ہو گیا۔ یہ بطن مَرّہ میں جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے رہ پڑے، اور اوس و خزرج یثرب پہونچ کر مقیم ہو گئے۔ ابن کثیر میں طویل قصہ کے بعد لوگوں کے متفرق مقامات میں منتشر ہو جانے کی یہی تفصیل بسند سعید عن قتادہ عن الشعبی نقل کر کے فرمایا کہ اس طرح یہ قوم سبا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جس کا ذکر مَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ میں آیا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ، یعنی قوم سبا کے عروج و نزول اور ان کے احوال کے انقلاب میں بڑی نشانی اور عبرت ہے، اس شخص کے لئے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہو۔ یعنی کوئی مصیبت و تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے، اور کوئی نعمت و راحت حاصل ہو تو اس پر اللہ کا شکر کرے، اس طرح وہ زندگی کے ہر حال میں نفع ہی نفع کماتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے، کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی تقدیری حکم نافذ فرماتے ہیں سب خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہوتا ہے، کہ اگر اس کو کوئی نعمت راحت اور اس کی خوشی کی چیز حاصل ہوتی ہے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اس کی آخرت کے لئے خیر اور نفع بن جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف و مصیبت پیش آ جائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے جس کا اس کو بہت بڑا اجر و ثواب ملتا ہے، اس طرح یہ مصیبت بھی اس کے لئے خیر اور نفع بن جاتی ہے۔ (از ابن کثیر)

اور بعض حضرات مفسرین نے لفظ صبّار کو صبر کے عام معنی میں لیا ہے، جس میں طاعات پر ثابت قدم رہنا اور معاصی سے پرہیز کرنا بھی داخل ہے، اس تفسیر پر مؤمن ہر حال میں صبر و شکر کا جامع رہتا ہے اور ہر صبر شکر ہے اور ہر شکر صبر بھی ہے، واللہ اعلم

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾

اور سچ کر دکھلائی اُن پر ابلیس نے اپنی اٹکل پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایمان دار۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ

اور اس کا اُن پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کرلیں ہم اس کو جو یقین لاتا ہو آخرت پر جدا کرکے

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۱﴾

اس سے جو رہتا ہو آخرت کی طرف سے دھوکے میں، اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

خُلاصۂ تفسیر

اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارے میں (یعنی بنی آدم کے بارے میں) صحیح پایا (یعنی اس کو جو یہ گمان تھا کہ میں آدم کی اکثر ذریت کو گمراہ کر دوں گا، کیونکہ یہ مٹی سے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں (در منثور) اس کا یہ گمان صحیح نکلا کہ یہ سب اسی راہ پر ہولئے) مگر ایمان والوں کا گروہ (کہ ان میں ایمان کامل والے تو بالکل محفوظ رہے، اور ضعیف الایمان گو گناہوں میں مبتلا ہوگئے، مگر شرک و کفر سے وہ بھی محفوظ رہے) اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بطور اغواء کے ہے وہ) بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کرکے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں (یعنی مقصود امتحان ہے کہ مؤمن و کافر میں امتیاز ہوجاوے، تاکہ بمقتضائے عدل و حکمت ثواب و عذاب کے احکام جاری ہوں) اور (چونکہ) آپ کا رب ہر چیز کا نگراں ہے (جس میں لوگوں کا ایمان و کفر بھی داخل ہے، اس لئے ہر ایک کو مناسب جزاء و سزا ملے گی)۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ

تو کہہ پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے وہ مالک نہیں ایک

ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ

ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا ہے

وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا

اور نہ اُن میں کوئی اس کا مددگار۔ اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس، مگر

لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۖ

اس کو کہ جس کے واسطے حکم کر دے، یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاوے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے

قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاوَاتِ

وہ کہیں فرمایا جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔ تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے

وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ

اور زمین سے بتلادے کہ اللہ اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں گمراہی میں

مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۵﴾

صریح۔ تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی اس کی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہوگی اس کی جو تم کرتے ہو

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ

تو کہہ جمع کریگا ہم سب کو رب ہمارا پھر فیصلہ کریگا ہم میں انصاف کا، اور وہی ہے قصہ چکانے والا سب کچھ

الْعَلِيمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ ۖ كَلَّا ۚ بَلْ

جاننے والا ہے۔ تو کہہ مجھ کو دکھلاؤ تو سہی جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی قرار دیکر، کوئی نہیں وہی

هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۷﴾

اللہ ہے زبردست حکمتوں والا۔

خُلاصۂ تفسیر

آپ (ان لوگوں سے) فرمایئے کہ جن (معبودوں) کو تم خدا کے سوا (دخیل خدائی) سمجھ رہے ہو ان کو (اپنی حاجتوں کے لئے) پکارو (تو سہی معلوم ہوجائے گا کہ کتنی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں ان کی حالت واقعیہ تو یہ ہے کہ) وہ ذرہ برابر (کسی چیز کا) اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں (کی کائنات) میں اور نہ زمین (کی کائنات) میں اور نہ اُن کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا (کسی کام میں) مددگار ہے، اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی (بلکہ سفارش ہی نہیں ہوسکتی) مگر اس کے لئے جس کی نسبت وہ (کسی سفارش کرنے والے کو) اجازت دیدے، (کفار و مشرکین میں کچھ جاہل تھے تو ایسے تھے جو پتھر کے خود تراشیدہ بتوں ہی کو حاجت روا

اور کارفرما اور خدائی کا شریک سمجھتے تھے، اُن کے رد کے لئے تو آیت کے پہلے جملے آئے، (لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ) اور بعض لوگ اتنا قادر تو نہیں کہتے تھے مگر یہ عقیدہ رکھتے کہ یہ بُت خدا تعالیٰ کے کاموں میں اس کے مددگار ہیں، اُن کے رد کے لئے یہ فرمایا (مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ) اور کچھ ایسے سمجھدار تھے کہ ان بے جان بتوں کو کسی چیز کا خالق یا خالق کا مددگار تو نہیں مانتے تھے، مگر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں کہ جس کی سفارش کردیں اس کا کام بن جاتا ہے، جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے (هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ) ان کے رد کے لئے فرمایا (وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ) جس کا حاصل یہ ہے کہ ان بتوں میں کسی قابلیت کے تو تم بھی قائل نہیں مگر تم اس دھوکہ میں ہو کہ ان کو اللہ کے نزدیک مقبولیت حاصل ہے۔ یہ محض تمہارا خیال بے بنیاد ہے، نہ ان میں کوئی قابلیت اور نہ اللہ کے نزدیک مقبولیت۔ آگے یہ ارشاد فرمایا کہ ان میں تو نہ کوئی قابلیت ہے نہ مقبولیت، جن میں قابلیت بھی موجود ہو اور مقبولیت بھی جیسے اللہ کے فرشتے وہ بھی کسی کی سفارش کرنے میں خود مختار نہیں، بلکہ ان کے لئے شفاعت کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سفارش کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے صرف اس کی سفارش کرسکتے ہیں اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔ کیونکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال سے مغلوب ہیں، جب اُن کو کوئی عام حکم دیا جاتا ہے یا کسی کے لئے سفارش ہی کا حکم ملتا ہے تو وہ حکم سننے کے وقت ہیبت سے مدہوش ہوجاتے ہیں۔ جب یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوجاتی ہے اس وقت حکم پر غور کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ کر تحقیق کرلیتے ہیں کہ ہم نے جو حکم سُنا ہے وہ کیا ہے، اس تحقیق کے بعد وہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں جس میں کسی کی سفارش کا حکم بھی داخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ کے فرشتے جو قابلیت بھی رکھتے ہیں، مقبولیت عند اللہ بھی، وہ بھی کسی کی سفارش از خود بلا اجازت نہیں کرسکتے، اور جب کسی کے لئے اجازت ملتی بھی ہے تو خود ہیبت سے مدہوش جیسے ہوجاتے ہیں، اس کے بعد جب ہوش درست ہوتا ہے تو سفارش کرتے ہیں، تو یہ پتھروں کے خود تراشیدہ بُت جن میں نہ کسی طرح کی قابلیت ہے نہ مقبولیت، وہ کیسے کسی کی سفارش کرسکتے ہیں؟ فرشتوں کے مدہوش ہوجانے وغیرہ کا ذکر آگے آیت میں اس طرح آیا ہے کہ) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ (جو حکم سننے کے وقت طاری ہوئی تھی) دور ہوجاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ کہتے ہیں کہ (فلاں) حق بات

کا حکم فرمایا (جیسے طالب علم سبق پڑھنے کے بعد استاد کی تقریر کو صحیح کرنے اور یاد کرنے کے لئے باہم اس کا اعادہ کیا کرتے ہیں، یہ فرشتے بھی اپنے سُنے ہوئے حکم کی باہم ایک دوسرے سے تحقیق و تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے بعد حکم کی تعمیل کرتے ہیں) اور (اس کے روبرو فرشتوں کا ایسا حال ہوجانا کیا بعید ہے) وہ عالی شان سب سے بڑا ہے۔

اور آپ (ان سے تحقیقِ توحید کے لئے یہ بھی) پوچھئے کہ تم کو آسمان و زمین سے (پانی برسا کر اور نباتات نکال کر) کون روزی دیتا ہے (چونکہ اس کا جواب ان کے نزدیک ہی متعین ہے، اس لئے) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (روزی دیتا ہے) اور (یہ بھی کہئے کہ اس مسئلہ توحید میں) بیشک ہم یا تم ضرور راہِ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں (یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ دو متضاد چیزیں توحید اور شرک دونوں صحیح اور حق ہوں، اور دونوں طرح کے عقیدے رکھنے والے اہلِ حق ہوں بلکہ ضروری ہے کہ ان دونوں عقیدوں میں سے ایک صحیح دوسرا غلط ہو۔ صحیح عقیدے کے رکھنے والے ہدایت پر اور غلط کا عقیدہ رکھنے والے گمراہی پر ہونگے۔ اب تم غور کرلو کہ ان میں سے کونسا عقیدہ صحیح ہے اور کون حق و ہدایت پر ہے کون گمراہی پر) آپ (ان سے اس بحث و مناظرہ میں یہ بھی) فرما دیجئے (کہ ہم نے کھول کر حق و باطل کو واضح طور پر بیان کردیا ہے، اب تم اور ہم ہر ایک اپنے عمل کا ذمہ دار ہے) تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی اور (آپ اُن سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (ایک وقت ضرور آنے والا ہے جس میں) ہمارا رب سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ (عملی) کردے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنیوالا اور (سب کا حال) جاننے والا ہے، آپ (یہ بھی) کہئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی شان عالی اور قدرت کاملہ کے دلائل سُن لئے اور اپنے بتوں کی بے بسی بھی دیکھ لی) مجھ کو ذرا وہ تو دکھلاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر (استحقاقِ عبادت میں) خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز (اس کا کوئی شریک) نہیں بلکہ (واقع میں) وہی ہے اللہ (یعنی معبود برحق) زبردست حکمت والا۔

معارف و مسائل

آیاتِ مذکورہ میں حکم ربانی کے نزول کے وقت جو فرشتوں کا مدہوش ہوجانا پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کرنے کا ذکر ہے، اس کا بیان صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس طرح آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو سب فرشتے خشوع و خضوع سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں (اور مدہوش جیسی ہوجاتے ہیں)

جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور ہیبت وجلال کا وہ اثر دور ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے کہتے ہیں کہ فلاں حکیم حق ارشاد فرمایا ہے۔ الحدیث

اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ کسی صحابی سے یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا رب تبارک اسمہٗ جب کوئی حکم دیتا ہے تو عرش کے اٹھانے والے فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں، ان کی تسبیح کو سن کر ان کے قریب والے آسمان کے فرشتے تسبیح پڑھنے لگتے ہیں، پھر ان کی تسبیح کو سن کر اس سے نیچے والے آسمان کے فرشتے تسبیح پڑھنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ یہ نوبت سماءِ دنیا (نیچے کے آسمان) تک پہونچ جاتی ہے (اور سب آسمانوں کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں) پھر وہ فرشتے جو حملہ عرش کے قریب ہیں ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا وہ بتلا دیتے ہیں، پھر اسی طرح ان سے نیچے کے آسمان والے اوپر والوں سے یہی سوال کرتے ہیں، یہاں تک کہ سوال وجواب کا یہ سلسلہ سماءِ دنیا تک پہونچ جاتا ہے۔ الحدیث (مظہری)

بحث ومناظرہ میں مخاطب کے نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، یہ مشرکین کفار کے ساتھ خطاب ہے۔ دلائل واضحہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق ومالک ہونا اور قادر ومطلق ہونا واضح کر دیا گیا، بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا مشاہدہ کرا دیا گیا، ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کر کے کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش کرتے ہو۔ مگر قرآن حکیم نے اس جگہ حکیمانہ عنوان اختیار فرمایا وہ دعوت و تبلیغ اور مخالفینِ اسلام اور اہلِ باطل سے بحث ومناظرہ کرنے والوں کے لئے ایک اہم ہدایت نامہ ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر گمراہ کہنے کی بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضحہ کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھدار آدمی کہہ نہیں سکتا کہ توحید وشرک دونوں باتیں حق ہیں، اور اہلِ توحید اور مشرک دونوں حق پرست ہیں، بلکہ یقینی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک حق پر دوسرا گمراہی پر ہے۔ اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کر لو کہ ہم حق پر ہیں یا تم۔ مخاطب کو خود کافر گمراہ کہنے سے اس کو اشتعال ہوتا، اس سے گریز کیا گیا، اور ایسا مشفقانہ عنوان اختیار کیا کہ سنگدل مخالف بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے (از قرطبی وبیان القرآن)

یہ پیغمبرانہ دعوت وموعظت اور مجادلہ بالتی ھی احسن کا طریقہ جو علماء کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے، اس کے نظر انداز ہونے ہی سے دعوت وتبلیغ اور بحث ومناظرہ بے اثر بلکہ مضر ہو کر رہ جاتا ہے۔ مخالفین ضد پر آجاتے ہیں ان کی گمراہی اور پختہ ہو جاتی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

بہت لوگ نہیں سمجھتے۔

خلاصۂ تفسیر

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے (خواہ جن ہوں یا انسان، عرب ہوں یا عجم موجود ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں سب کے لئے) پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا وثواب کی) خوش خبری سنانے والا اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب وعذاب سے) ڈرانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے (جہالت یا عناد کی وجہ سے انکار وتکذیب میں لگ جاتے ہیں)۔

معارف ومسائل

سابقہ آیات میں توحید اور حق تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا بیان تھا، اس آیت میں رسالت کا اور بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تمام اقوام عالم موجودہ وآئندہ کے لئے عام ہونا بیان کیا گیا ہے۔

كَآفَّةً لِّلنَّاسِ لفظ كَآفَّةً، عربی محاورہ میں کسی چیز کے سب کو عام وشامل ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس میں کوئی مستثنیٰ نہ ہو۔ اصل عبارت ترکیبی کا تقاضا یہ تھا کہ لِلنَّاسِ كَآفَّةً کہا جاتا، کیونکہ لفظ كَآفَّةً حال ہے ناس کا، مگر عموم بعثت بیان کرنے کا اہتمام واضح کرنے کے لئے لفظ كَآفَّةً کو مقدم کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، ان کی رسالت ونبوت کسی خاص قوم اور خاص خطۂ زمین کے لئے تھی۔ یہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلت ہے کہ آپ کی نبوت ساری دنیا کے لئے عام ہے۔ اور صرف انسان ہی نہیں جنات کے لئے بھی ہے اور صرف اُن لوگوں کے لئے نہیں جو آپؐ کے زمانہ میں موجود تھے بلکہ قیامت تک آنے والی انسانی نسلوں کے لئے عام ہے۔ اور آپؐ کی نبوت ورسالت کا تاقیامت باقی اور مسلسل رہنا ہی اس کا مقتضی ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہوں آپؐ کے

بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو، کیونکہ دوسرا نبی اس وقت مبعوث ہوتا ہے جب پہلے کی شریعت اور تعلیمات مسخ و محرف ہو جائیں، تو دوسرا نبی اصلاحِ خلق کے ـــ مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور اپنی کتاب قرآن کی حفاظت کا تا قیامت خود ذمہ لے لیا ہے، اس لئے وہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں قائم رہے گی اور کسی اور نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ ایک یہ کہ میری مدد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رعب دے کر فرمائی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک لوگوں پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور طہور قرار دیدیا گیا ہے۔ (پچھلے انبیاء کی شریعتوں میں ان کی عبادت خاص عبادت گاہوں ہی میں ہوتی تھی، ان کی مساجد سے باہر میدان یا گھر میں عبادت نہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کے لئے پوری زمین کو اس معنی میں مسجد بنا دیا کہ ہر جگہ نماز ادا ہو سکتی ہے۔ اور زمین کی مٹی کو پانی نہ ملنے یا پانی کا استعمال مضر ہونے کی صورت میں طہور یعنی پاک کرنے والا بنا دیا کہ اس سے تیمم کر لیا جائے تو وضو کے قائم مقام ہو جاتا ہے)۔ تیسرے یہ کہ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا، مجھ سے پہلے کسی امت کے لئے یہ مال حلال نہیں تھا، بلکہ حکم یہ تھا کہ جنگ میں جو مال کفار کا ہاتھ آتا اس کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیں، وہاں ایک آسمانی آگ بجلی وغیرہ آ کر اس کو جلا دے گی، اور یہ جلا دینا ہی اس جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوگی۔ امتِ محمدیہ کے لئے مالِ غنیمت کو قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق تقسیم کر لینا اور اپنی ضروریات میں صرف کرنا جائز کر دیا گیا، چوتھے یہ کہ مجھے شفاعتِ کبریٰ کا مقام دیا گیا (یعنی حشر کے میدان میں جس وقت کوئی پیغمبر شفاعت کی ہمت نہ کرے گا، مجھے اس وقت شفاعت کا موقع دیا جائے گا)، پانچویں یہ کہ مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے تمام اقوامِ عالم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے (ابن کثیر)

ويقولون متى هذا الوعد إن كنتم صادقين ﴿۲۹﴾ قل لكم

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ۔ تو کہہ تمہارے

ميعاد يوم لا تستأخرون عنه ساعة ولا تستقدمون ﴿۳۰﴾

لئے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی نہ جلدی

وقال الذين كفروا لن نؤمن بهذا القرآن ولا بالذي

اور کہنے لگے منکر ہم ہرگز نہ مانیں گے اس قرآن کو اور نہ اس سے

بين يديه ولو ترى إذ الظالمون موقوفون عند ربهم

اگلے کو، اور کبھی تو دیکھے جب کہ گنہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس،

يرجع بعضهم إلى بعض القول يقول الذين استضعفوا

ایک دوسرے پر ڈالتا ہے بات کو، کہتے ہیں وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے

للذين استكبروا لولا أنتم لكنا مؤمنين ﴿۳۱﴾ قال

بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار ہوتے۔ کہنے لگے

الذين استكبروا للذين استضعفوا أنحن صددناكم عن

بڑائی کرنے والے اُن سے جو کہ کمزور ہو گئے تھے کیا ہم نے روکا تم کو

الهدى بعد إذ جاءكم بل كنتم مجرمين ﴿۳۲﴾ وقال الذين

حق بات سے تمہارے پاس پہنچ چکنے کے بعد کوئی نہیں تم ہی تھے گنہگار۔ اور کہنے لگے

استضعفوا للذين استكبروا بل مكر الليل والنهار إذ

وہ لوگ جو کمزور گنے گئے تھے بڑائی کرنے والوں کو کوئی نہیں پر فریب رات دن کے جب

تأمروننا أن نكفر بالله ونجعل له أندادا وأسروا

تم ہم کو حکم کیا کرتے کہ ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے ساجھی اور چھپے چھپے

الندامة لما رأوا العذاب وجعلنا الأغلال في أعناق

پچھتانے لگے جب دیکھ لیا عذاب، اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں

الذين كفروا هل يجزون إلا ما كانوا يعملون ﴿۳۳﴾

منکروں کے، وہی بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے۔

خلاصۂ تفسیر

اور یہ لوگ (قیامت کے متعلق مضامین یجمع بیننا ربنا ثم یفتح الخ سنکر) کہتے ہیں

کہ یہ وعدہ کب (واقع) ہوگا اگر تم (یعنی نبی اور آپ کے متبعین) سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ (مقرر) ہے اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو (یعنی گو ہم وقت نہ بتلائیں گے جو تم پوچھ رہے مگر آئے گی ضرور جس کا اس پوچھنے سے انکار کرنا تمہارا مقصود ہے) اور یہ کفار (دنیا میں تو خوب خوب باتیں بناتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر اور (بیچا میں یہ ساری لمبی چوڑی باتیں ختم ہو جائیں گی چنانچہ) اگر آپ (ان کی) اس وقت کی حالت دیکھیں (تو ایک ہولناک منظر نظر آئے) جبکہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا (جیسا کوئی کام بگڑ جانے کے وقت عادت ہوتی ہے چنانچہ) ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی متبعین) بڑے لوگوں سے (یعنی اپنے مقتداؤں سے) کہیں گے کہ (ہم تو تمہارے سبب برباد ہوئے) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے (اس پر) یہ بڑے لوگ اُن ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت (پر عمل کرنے) سے (زبردستی) روکا تھا بعد اس کے کہ وہ (ہدایت) تم کو پہونچ چکی تھیں نہیں بلکہ تم ہی قصوروار ہو (کہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی اس کو قبول نہ کیا، اب ہمارے سر دھرتے ہو) اور (اس کے جواب میں) یہ کم درجہ کے لوگ ان بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ (ہم یہ نہیں کہتے کہ تم نے زبردستی کی تھی) نہیں، بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم ہم سے فرمائش کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں (تدبیروں سے مراد ترغیب و ترہیب ہے، یعنی رات دن کی ان تعلیمات اور ان تدبیرات کا اثر ہوگیا، اور تباہ و برباد ہوئے۔ بس ہم کو تم ہی نے خراب کیا) اور (اس گفتگو میں تو ہر شخص دوسرے پر الزام دے گا، مگر دل میں اپنا اپنا قصور بھی سمجھیں گے۔ مضلین سمجھیں گے کہ واقعی ہم نے ایسا کیا تو تھا اور ضالین سمجھیں گے کہ گو انھوں نے ہم کو غلط راستہ بتلایا تھا، لیکن آخر ہم بھی تو اپنا نفع نقصان سمجھ سکتے تھے، ضرور ہمارا بھی بلکہ زیادہ ہمارا ہی قصور ہے لیکن) وہ لوگ (اپنی اس) پشیمانی کو (ایک دوسرے سے) مخفی رکھیں گے جبکہ (اپنے اپنے عمل پر) عذاب (ہوتا ہوا) دیکھیں گے (تاکہ نقصان مایہ کے ساتھ شماتت ہمسایہ نہ ہو، لیکن آخر میں شدتِ عذاب سے وہ تحمل جاتا رہے گا) اور (ان سب کو مشترک یہ عذاب دیا جائے گا کہ) ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے (اور ہاتھ پاؤں میں زنجیر پھر مشکیں کسا ہوا جہنم میں جھونک دیا جائے گا) جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے لگے وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ

ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں، اور ہم پر آفت

بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۳۵ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ

نہیں آنے والی، تو کہہ میرا رب ہی جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جسکو چاہے اور ناپ کر دیتا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۶ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ

لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد

اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا

صَالِحًا ۠ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي

کام کیا سو ان کے لئے ہے بدلہ دونا ان کے کئے کام کا اور وہ بھروکوں

الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

میں بیٹھے ہیں دل جمعی سے، اور جو لوگ دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے ہرانے کو

اُولٰۗىِٕكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝۳۸

وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے اقوالِ ضلالت و اقوالِ جہالت سے آپ مغموم نہ ہوں، کیونکہ یہ معاملہ انوکھا آپ ہی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ) ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا، مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے (ان کفار معاصرین کی طرح) یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے، اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، (کما قال فی الکہف اَنَا اَكْثَرُ

تِلْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا) اور (یہ دلیل ہے ہمارے مکرم ومقبول عنداللہ ہونے کی پس) ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا (اور یہی بات کفار مکہ کہتے ہیں کما قال تعالیٰ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا، پس غم نہ کیجئے، البتہ ان کے قول کو رد کیجئے اور ان سے یوں) کہہ دیجئے کہ (وسعت رزق کا مدار قبول عنداللہ نہیں ہے، بلکہ محض مشیت ہے، چنانچہ) میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے (اور اس میں حکمتیں ہوتی ہیں) ولیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں (کہ مدار اس کا دوسری مصلحتوں پر ہے قبولیت عنداللہ پر نہیں ہے) اور (اے کفار یہ بھی سن رکھو کہ جس طرح تمہارے اموال و اولاد دلیل وعلامت قرب عنداللہ کے نہیں اسی طرح) تمہارے اموال و اولاد ایسی چیزیں نہیں جو تم کو درجہ میں ہمارا مقرب بنادے (یعنی مؤثر وعلت قرب کی بھی نہیں پس نہ اموال و اولاد قبولیت پر مرتب ہیں، اور نہ اموال و اولاد پر قبولیت مرتب ہے) ہاں مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے (نیک) عمل کا دونا صلہ ہے (یعنی عمل سے زیادہ خواہ دونے سے بھی زیادہ لقولہ تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا) اور وہ (بہشت کے) بالاخانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے اور جو لوگ (ان کے خلاف محض اموال و اولاد پر مغرور ہیں اور ایمان وعمل صالح کو اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ) ہماری آیتوں کے متعلق (ان کے ابطال کی) کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے لئے ایسے لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔

معارف ومسائل

دنیا کی دولت وعزت کو مقبولیت عنداللہ کی دلیل سمجھنے کا قدیم شیطانی فریب

ابتداء دنیا سے دنیا کی دولت اور عیش وعشرت کے نشہ میں مخمور ہونے والوں نے ہمیشہ حق کی آواز کی مخالفت اور انبیاء وصلحاء سے عداوت کا طریقہ اختیار کیا ہے، اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ، اس پر طرہ یہ کہ وہ اہل حق کے مقابلہ میں اپنی موجودہ حالت پر مگن اور مطمئن ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے تھے کہ اگر ہمارے اعمال وعادات اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہمیں دنیا کی دولت عزت سے حکومت کیوں دیتے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب متعدد آیات میں مختلف عنوانات سے دیا ہے۔ آیاتِ مذکورہ کا نزول بھی اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق اور اس لغو دلیل کا جواب ہے۔

حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شخص ایک کاروبار میں شریک تھے،

پھر ان میں سے ایک یہ جگہ چھوڑ کر کسی ساحلی علاقہ میں چلا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ کی نبوت ورسالت کا چرچا ہوا تو ساحلی ساتھی نے مکی ساتھی کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان کے دعوائے نبوت کا تم لوگوں نے کیا اثر لیا؟ اس پر مکی ساتھی نے جواب لکھا کہ قریش میں سے تو کوئی بھی ان کا تابع نہیں ہوا، صرف غریب مسکین بے حیثیت لوگ ان کے پیچھے لگے ہیں۔ ساحلی ساتھی وہاں کی اپنی تجارت چھوڑ کر مکہ مکرمہ آیا، اور اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے ان کا پتہ بتلاؤ جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ ساحلی ساتھی کچھ کتب قدیمہ تورات وانجیل وغیرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے اپنی دعوتِ اسلام کے اہم اجزاء کا ذکر فرمایا، دعوتِ اسلام کو آپ کی زبانِ مبارک سے سنتے ہی اس نے کہا اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ (آپ کی دعوت کا حق ہونا تو عقل سے سمجھا اور اس کی علامت یہ دیکھی کہ) جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے آئے ہیں سب کے ماننے والے ابتداء میں قوم کے غریب وفقیر دنیا میں کم حیثیت لوگ ہوئے ہیں، اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ (ابن کثیر ومظہری)، مُتْرَف، ترف سے مشتق ہے، جس کے معنی ناز ونعمت کی فراوانی کے آتے ہیں۔ مُتْرَفِیْن سے مراد اغنیاء اور مالدار اور قوم کے رؤساء ہیں۔ قرآن کریم نے مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ جب کبھی ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو مال ودولت کے نشہ اور ناز ونعمت میں پلے ہوئے لوگوں نے اس کا مقابلہ کفر وانکار ہی سے کیا ہے۔

دوسری آیت میں اُن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ، "یعنی ہم تم سے مال ودولت میں بھی زیادہ اولاد میں بھی زیادہ، اس لئے ہم عذاب میں مبتلا نہیں ہوسکتے" (بظاہر اُن کے قول کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم قابل عذاب ہوتے تو ہمیں اتنی دولت وعزت کیوں دیتا)، قرآن کریم نے تیسری اور چوتھی آیت میں اُن کا یہ جواب دیا ہے قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ، اور وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ الآیہ، خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ دنیا میں مال ودولت یا عزت وجاہ کی کمی بیشی اللہ کے نزدیک مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ تکوینی مصالح کے پیش نظر دنیا میں تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مال ودولت فراوانی کے ساتھ دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے، جس کی تکوینی حکمت

کو وہی جانتا ہے، مگر مال و اولاد کی بہتات کو اللہ کے نزدیک مقبولیت کی دلیل سمجھنا جہالت ہے، کیونکہ اس کے نزدیک مقبولیت کا مدار صرف ایمان اور عمل صالح پر ہے جس کو یہ حاصل نہیں مال و اولاد کتنا ہی زیادہ ہو وہ اس کو اللہ کے نزدیک مقبول نہیں بنا سکتا۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ، یعنی کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو مال اور اولاد کی بہتات سے ان کی امداد کرتے ہیں یہ کچھ ان کے لئے انجام و آخرت کے اعتبار سے خیر ہے (ہرگز نہیں)، بلکہ یہ لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں (کہ جو مال و اولاد انسان کو اللہ سے غافل کرے وہ اس کے لئے وبال ہے)۔

دوسری آیت میں فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ، یعنی ان کافروں کے مال و اولاد سے آپ تعجب نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کو اسی مال و اولاد کے ذریعے دنیا میں مبتلائے عذاب کر دے، اور انجام کار ان کی جان اسی حالت کفر میں نکل جائے جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہو۔ مال و اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں مال و دولت کی محبت میں ایسے مبتلا ہو جائیں کہ اپنے انجام اور خدا و آخرت کی طرف کبھی التفات نہ ہو جس کا انجام دائمی عذاب ہے، اور بہت سے مال و اولاد والوں کو اس دنیا میں بھی مال و اولاد ہی کی خاطر بلکہ انہی کے ذریعہ ہزاروں مصائب و تکالیف جھیلنی پڑتی ہیں، ان کی سزا و عذاب تو اسی عالم سے شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (رواہ احمد، ابن کثیر)

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ، یہ ایمان و عمل صالح والوں کا حال بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک مقبول یہی لوگ ہیں، دنیا میں کوئی ان کی قدر پہچانے یا نہ پہچانے، آخرت میں اُن کو جزائے ضِعف ملے گی۔ ضِعف بکسر ضاد مصدر ہے جس کے معنی ایک شے کے مثل یا امثال کے آتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں دولت والے اپنی دولت کو بڑھانے میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزا کو آخرت میں بڑھا دیں گے، کہ ایک عمل کی جزا اس کے دس امثال ہوں گے، اور اس میں بھی منحصر نہیں اس کے اخلاصِ عمل اور دوسرے اسباب سے ایک عمل کی جزا اس کے سات سو گنا تک ملنا

بھی احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ اور اس میں بھی حصر نہیں، اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے، اور یہ لوگ جنت کے غرفوں میں مامون اور ہمیشہ کے لئے ہر رنج و غم سے محفوظ رہیں گے۔ غرفات غرفہ کی جمع ہے، مکان کا جو حصہ دوسرے حصوں سے ممتاز اور اعلیٰ سمجھا جائے اس کو غرفہ کہتے ہیں (قرطبی)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ

تو کہہ میرا رب ہی جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے اور

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۳۹

جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

خُلاصۂ تفسیر

آپ (مؤمنین سے) یہ فرما دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی دیتا ہے اور (خرچ میں امساک اور بخل سے رزق بڑھ نہیں سکتا، اور شریعت کے مطابق خرچ کرنے سے گھٹ نہیں سکتا، اس لئے تم مال سے دل نہ لگاؤ بلکہ جہاں جہاں اللہ کے حقوق اور اپنے عیال کے حقوق اور فقراء و مساکین وغیرہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے بے دھڑک خرچ کرتے رہو، کہ اس سے رزق مقسوم و مقدر میں تو کسی کمی کا ضرر نہ ہوگا اور آخرت میں اس سے نفع حاصل ہوگا، کیونکہ) جو چیز تم (حکم خداوندی کے مواقع میں) خرچ کر دو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا (آخرت میں تو ضرور اور اکثر دنیا میں بھی) بدلہ دیگا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

معارف و مسائل

یہ آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ اوپر گذری ہے (قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ) یہاں بظاہر یہی مضمون کرر آیا ہے مگر ایک فرق کے ساتھ کہ اس جگہ مَنْ يَّشَآءُ کے بعد مِنْ عِبَادِهٖ اور يَقْدِرُ کے بعد لَهٗ کا اضافہ ہے۔ مِنْ عِبَادِهٖ کے لفظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ حکم اپنے مخصوص بندوں یعنی مؤمنین کے لئے ارشاد ہوا ہے، اور مقصود اس سے یہ ہے کہ ایمان والے مال کی محبت میں ایسے نہ لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے حقوق و مواقع

میں خرچ کرنے سے دل تنگ ہونے لگیں، اور اس سے پہلی جو آیت اسی مضمون کی آئی ہے اس کا خطاب کفار و مشرکین کو تھا جو دنیا کے مال و اولاد پر فخر کرتے اور ان کو اپنی آخرت کی فلاح کی دلیل بناتے تھے۔ اس طرح مخاطب اور مقصود کلام کے اعتبار سے تکرار نہ رہا، خلاصۂ تفسیر میں جو شروع آیت کی تفسیر میں مؤمنین کا لفظ بڑھایا ہے یہ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اور بعض حضرات نے ان دونوں آیتوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ پہلی آیت میں تو مختلف انسانوں میں تقسیم رزق کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصالح عالم کے پیش نظر کسی کو مال زیادہ کسی کو کم دیتے ہیں، اور اس آیت میں ایک ہی شخص کے مختلف احوال کا ذکر ہے کہ ایک شخص کو کبھی مال کی فراخی اور وسعت عطا ہوتی ہے، کبھی اسی کو تنگی اور تنگ دستی بھی پیش آتی ہے۔ لفظ لَہٗ جو اس آیت میں یَقْدِرُ کے بعد آیا ہے اس میں اس طرف اشارہ نکلتا ہے اس تقریر کے مطابق بھی تکرار نہ رہا بلکہ پہلی آیت مختلف افراد کے متعلق اور یہ آیت ایک ہی فرد کے مختلف احوال کے متعلق ہوگئی۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ۔ اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے تمہیں اس کا بدل دیدیتے ہیں، کبھی دنیا میں اور کبھی آخرت میں اور کبھی دونوں میں۔ کائناتِ عالم کی تمام چیزوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے انسان اور جانور اس کو بے دھڑک خرچ کرتے رہتے ہیں، کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرتے ہیں وہ پانی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا اس کی جگہ اور نازل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زمین سے کنواں کھود کر جو پانی نکالا جاتا ہے اس کو جتنا نکال کر خرچ کرتے ہیں اس کی جگہ دوسرا پانی قدرت کی طرف سے جمع ہو جاتا ہے، انسان غذا کھا کر بظاہر ختم کر لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری غذا مہیا کر دیتے ہیں، بدن کی نقل و حرکت اور محنت سے جو اجزاء تحلیل ہو جاتے ہیں ان کی جگہ دوسرے اجزاء بدل مایتحلل بن جاتے ہیں۔ غرض انسان دنیا میں جو چیز خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے قائم مقام اسی جیسی دوسری چیز دیدیتے ہیں، کبھی کسی کو سزا دینے کے لئے یا کسی دوسری تکوینی مصلحت سے اس کے خلاف ہو جانا اس ضابطۂ آلہیہ کے منافی نہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز جب لوگ صبح میں داخل ہوتے ہیں دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور یہ دعاء کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَاَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا، یعنی یا اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور بخل کرنے والے کا مال ضائع کر دے۔" اور ایک دوسری حدیث میں ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ لوگوں پر خرچ کریں میں آپ پر خرچ کروں گا۔

جو خرچ شریعت کے مطابق نہ ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک کام صدقہ ہے، اور کوئی آدمی جو اپنے نفس یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے موجب ثواب ہے، اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے، اور جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق کچھ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا، مگر وہ خرچ جو (فضول زائد از ضرورت) تعمیر میں یا کسی گناہ کے کام میں کیا ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابرؓ کے شاگرد ابن المنکدر نے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آبرو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق یہ خیال ہو کہ نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا، برا بھلا کہے گا یا بدگوئی کرے گا اس کو اپنی آبرو بچانے کے لئے دینا مراد ہے (رواہ الدارقطنی، قرطبی)

جس چیز کا خرچ گھٹ جاتا ہے اس کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے

اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء صرف انسان اور حیوانات کے لئے پیدا فرمائی ہیں، جب تک وہ خرچ ہوتی رہتی ہیں ان کا بدل منجانب اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے، جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہے کہ ان کو ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے، اور شرعی قربانیوں اور کفارات و جنایات میں ان کو ذبح کیا جاتا ہے، وہ جتنے زیادہ کام آتے ہیں اللہ تعالیٰ اتنی ہی زیادہ اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں جس کا ہر جگہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ بکروں کی تعداد ہر وقت چھری کے نیچے رہنے کے باوجود دنیا میں زیادہ ہے اکتے بلی کی تعداد اتنی نہیں، حالانکہ کتے بلی کی نسل بظاہر زیادہ ہونی چاہئے کہ وہ ایک ہی پیٹ سے چار پانچ بچے تک پیدا کرتے ہیں، گائے بکری زیادہ سے زیادہ دو بچے دیتی ہے، گائے بکری ہر وقت ذبح ہوتی رہتی ہے، کتے، بلی کو کوئی ہاتھ نہیں لگاتا، مگر پھر یہ مشاہدہ ناقابل انکار ہے کہ دنیا میں گائے اور بکروں کی تعداد بہ نسبت کتے بلی کے زیادہ ہے۔ جب سے ہندوستان میں گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگی ہے اس وقت سے وہاں گائے کی پیداوار اسی نسبت سے گھٹ گئی ہے، ورنہ ہر بستی اور ہر گھر گایوں سے بھرا ہوا ہوتا جو ذبح نہ ہونے کے سبب بچی رہیں۔

عرب نے جب سے سواری اور بار برداری میں اونٹوں سے کام لینا کم کر دیا وہاں

اونٹوں کی پیداوار بھی گھٹ گئی، اس سے اس طمدانہ شبہ کا ازالہ ہوگیا جو احکامِ قربانی کے مقابلہ میں اقتصادی اور معاشی تنگی کا اندیشہ پیش کر کے کیا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ

اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو کیا یہ لوگ تم کو پوجا

كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۖ

کرتے تھے ؟ وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف ہیں ان کی طرف نہیں

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ

پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے۔ سو آج تم

لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا

مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے، اور کہیں گے ہم اُن گنہگاروں کو

ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾

چکھو تکلیف اس آگ کی جسکو تم جھوٹ بتلاتے تھے۔

خلاصۂ تفسیر

اور (وہ دن قابلِ ذکر ہے) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (میدانِ قیامت میں) جمع فرمائے گا، پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے (ملائکہ سے یہ سوال مشرکین کو لاجواب کرنے کے لئے ہوگا، جو ملائکہ اور غیر الملائکہ کو اس خیال سے پوجتے تھے کہ یہ راضی ہو کر ہماری شفاعت کریں گے، جیسے ایک آیت میں اسی طرح کا سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا ہے، أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ۔ مطلب سوال کا یہ ہے کہ کیا تمہاری رضا سے تمہاری عبادت کیا کرتے تھے، و نیز جواب میں بھی اسی قید کا قرینہ ہے جیسا آگے جواب سے معلوم ہوگا) وہ (اوّل حق تعالیٰ کا شریک سے بالاتر اور پاک ہونا ظاہر کرنے کے لئے) عرض کریں گے کہ آپ (شریک سے) پاک ہیں (یہ جواب سے پہلے اس لئے کہا گیا کہ ان کی طرف جو نسبت إلٰی الشریک کی حکایت .... کی گئی ہے اس سے گھبرا کر پہلے یہ جملے عرض کئے پھر آگے اس سوال کا جواب یہ دیں گے کہ) ہمارا تو (محض) آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے (اس سے

رضا اور امر دونوں کی نفی ہوگئی۔ یعنی نہ ہم نے ان سے کہا نہ ہم ان کے فعل سے راضی ہم تو آپ کے مطیع ہیں جو چیز آپ کو ناپسند ہو مثل شرک وغیرہ اس سے ہم بھی ناخوش ہیں، جب اس شرک میں نہ ہمارا امر ہے نہ رضا تو فی الواقع یہ ہماری عبادت نہ کرتے تھے) بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے تھے (کیونکہ شیاطین ہی اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور اس سے راضی بھی تھے اُس لئے وہی ان کے معبود ہوئے۔ کیونکہ عبادت مستلزم ہے اطاعت مطلقہ کو کہ اس کے سامنے اور کسی کی اطاعت نہ کرے، اسی طرح ایسی اطاعت مطلقہ مستلزم ہے عبادت کو پس جب ہماری طرف سے امر و رضا متحقق نہیں تو ہماری اطاعت نہ ہوئی، اور جب شیاطین کی اطاعت مطلقہ کی تو عبادت بھی درحقیقت انہی کی ہوئی، گو یہ لوگ اس کا نام کچھ ہی رکھیں، عبادت ملائکہ کہیں یا بتوں کی عبادت مگر واقع میں وہ عبادت شیاطین ہی کی ہے اور جیسا تقریر مذکور سے ان لوگوں کا عابد شیاطین ہونا لازم آیا اسی طرح ان میں اکثر لوگ (التزاماً بھی) انہی (شیاطین) کے معتقد تھے (یعنی قصداً بھی بہت سے ان کو پوجتے تھے، جیسے سورۂ جنّ کی آیت میں ہے وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ وغیرذٰلک من الآیات) سو (کافروں سے کہا جائے گا کہ جن سے تم امیدیں رکھتے تھے) آج (خود ان کی اس برأت سے بھی اور ان کے عجز و بے بسی سے بھی تمہارے گمان کے خلاف یہ حالت ظاہر ہوئی کہ) تم (مجموع عابدین و معبودین) میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہونچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا (مطلب تو یہ ہے کہ یہ معبودین تم کو نفع نہیں پہونچا سکتے، مگر مبالغہ کے لئے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ سے تعبیر فرمایا تاکہ اس ابہام سے دونوں کی برابری اس امر میں ثابت ہو جائے کہ جیسی تم عاجز ہو وہ بھی عاجز ہیں اور ضرر کا ذکر تعمیم عجز کے لئے ہے اس سے کلام اور بھی مؤکد ہوگیا) اور (اُس وقت) ہم ظالموں (یعنی کافروں) سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ

اور جب پڑھی جائیں ان کے پاس ہماری آیتیں کھلی کھلی کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے

أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ۚ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا

کہ روک دے تم کو ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے، اور کہیں اور کچھ نہیں یہ

إِفْكٌ مُّفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا
جھوٹ ہی باندھا ہوا، اور کہتے ہیں منکر حق بات کو جب پہنچے اُن تک اور کچھ نہیں یہ
إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٣﴾ وَمَا آتَيْنَاهُم مِّن كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا
ایک جادو ہے صریح ۔ اور ہم نے دی نہیں ان کو کچھ کتابیں کہ جن کو وہ پڑھتے ہوں اور
أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن
بھیجا نہیں ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا ۔ اور جھٹلایا ہے ان سے
قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ
اگلوں نے اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اس کے جو ہم نے ان کو دیا تھا پھر جھٹلایا انھوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾ قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا
تو کیسا ہوا انکار میرا ۔ تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اُٹھ کھڑے ہو
لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ
اللہ کے نام پر دو دو ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں،
إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٤٦﴾
یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آنے سے ۔
قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى
تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا ہو کچھ بدلہ سو وہ تم ہی رکھو میرا بدلہ ہے اُسی
اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ
اللہ پر اور اس کے سامنے ہے ہر چیز ۔ تو کہہ میرا رب پھینکتا ہے سچا دین
عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾
اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں ۔ تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھر کر لائے ۔
قُلْ إِن ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ
تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو اور اگر ہوں سیدھے رستہ پر

فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿٥٠﴾
تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب بیشک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک ہے

خلاصۂ تفسیر

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو (حق اور ہادی ہونے کی صفت میں) صاف صاف ہیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ (پڑھنے والے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک ایسا شخص ہے جو یوں چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں (کی عبادت) سے باز رکھے جن کو (قدیم سے) تمہارے بڑے پوجتے (آ رہے) تھے (اور ان سے باز رکھ کر اپنا تابع بنانا چاہتا ہے۔ مطلب ان کم بختوں کا یہ تھا کہ یہ نبی نہیں اور ان کی دعوت منجانب اللہ نہیں بلکہ اس میں خود ان کی ذاتی غرض اپنی ریاست کی ہے) اور (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے (یعنی خدا کی طرف اس کی نسبت کرنا محض تراشی ہوئی بات ہے) اور یہ کافر اس امر حق (یعنی قرآن) کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس پہونچا (اس اعتراض کے جواب کے لئے کہ اگر یہ تراشا ہوا جھوٹ ہے تو پھر بہت سے عاقل اس کا اتباع کیوں کرتے ہیں اور یہ ایسا مؤثر کیوں ہے) یوں کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے (بس اس کو سن کر لوگ مغلوب العقل اور فریفتہ ہو جاتے ہیں) اور (ان کو قرآن کی اور نبی کی بڑی قدر کرنا چاہئے تھی، کیونکہ ان کے لئے تو یہ محض غیر مترقبہ نعمتیں تھیں اس سبب سے کہ) ہم نے (اس قرآن سے پہلے) ان کو (کبھی آسمانی) کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے پڑھاتے ہوں (جیسے بنی اسرائیل کے پاس کتابیں تھیں تو ان کے حق میں تو قرآن بالکل ایک نئی چیز تھی، اس لئے اس کی قدر کرنا چاہئے تھا) اور (اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (یعنی پیغمبر) نہیں بھیجا تھا (تو ان کے حق میں نبی بھی ایک نئی دولت تھی، اس لئے ان کی بھی قدر کرنا چاہئے تھی خصوصاً جبکہ علاوہ نعمت جدید ہونے کے خود ان کی تمنا بھی تھی کہ ان کے پاس کوئی نبی آئے تو یہ اس کا اتباع کریں جیسا اس آیت میں ہے وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ، مگر ان لوگوں نے پھر بھی قدر نہ کی، کما قال تعالیٰ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا، بلکہ تکذیب کی) اور (یہ لوگ تکذیب کر کے بے فکر نہ ہو بیٹھیں کیونکہ تکذیب کا وبال بڑا سخت ہو، چنانچہ) ان سے پہلے جو (کافر) لوگ تھے انھوں نے (بھی انبیاء اور وحی کی) تکذیب کی تھی اور یہ (مشرکین عرب) تو اس سامان کے جو ہم نے اُن کو دے رکھا تھا دسویں

حصے کو بھی نہیں پہونچتے (یعنی اُن کی سی قوت اُن کی سی عمریں اُن کی سی ثروت ان کو نہیں ملی جو کہ سرمایۂ غرور اور سبب افتخار ہوتا ہے، کما قال تعالیٰ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا) غرض انھوں نے میرے رسول کی تکذیب کی سو (دیکھو) میرا (ان پر) کیسا عذاب ہوا (سو یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں کہ ان کے پاس تو اتنا سامان بھی نہیں جب اس قدر ثروت و دولت کام نہ آئی تو یہ کس دھوکہ میں ہیں، (نیز جب اُن کے پاس سامان کم ہے جو سبب غرور ہوتا ہے، تو ان کا جرم بھی اشد ہوا پھر یہ کیسے بچ جائیں گے۔ یہاں تک انکارِ نبوت پر کفار کو تہدید فرما کر آگے اُن کو تصدیق نبوت کا ایک طریقہ بتلاتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) یہ کہئے کہ میں تم کو صرف ایک بات (مختصر سی) سمجھاتا ہوں (اُس سے واضح ہوجائے گا بس اسکو کرلو) وہ یہ کہ تم (محض) خدا کے واسطے (کہ اس میں نفسانیت و تعصب نہ ہو) کھڑے (یعنی مستعد) ہوجاؤ (کسی موقع پر) دو دو اور (کسی موقع پر) ایک ایک (یعنی چونکہ مقصود غور و فکر ہے جیسا آگے آتا ہے، اور فکر کا قاعدہ ہے کہ بعض اوقات اور بعض طبائع کے اعتبار سے دو کے ملنے سے ہر شخص کی فکر کو دوسرے سے تقویت ملتی ہے، اور بعض اوقات اور بعض طبائع کے اعتبار سے اکیلے خوب فکر میں جولانی ہوتی ہے، اور بہت زیادہ مجمع میں اکثر قوتِ فکریہ مشوش ہوجاتی ہے، اس لئے اسی پر اکتفا فرمایا، غرض اس طرح مستعد ہوجاؤ) پھر (خوب) سوچو (کہ جیسے دعوے میں کرتا ہوں مثلاً یہ کہ قرآن کا مماثل ممکن نہیں جیسے کئی سورتوں میں یہ مضمون ہے ایسے دعوے دو ہی شخص کرسکتے ہیں یا تو وہ جس کے دماغ میں خلل ہو کہ انجام کی خبر نہ ہو اور یا وہ کہ جو نبی ہو جس کو پورا اعتماد اس دعوے کے صدق و من اللہ ہونے کا ہو ورنہ اگر نبی نہ ہو اور عاقل بھی ہو تو وہ ایسے دعوے کے وقت میں رسوائی سے اندیشہ کریگا، اگر اس کا مماثل بنالائے گا تو میری کیا رہ جائے گی۔ اس تردید حاصر کے بعد میرے مجموعی احوال میں غور کرکے یہ سوچو کہ آیا مجھ کو جنون ہے یا نہیں، سو یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہوجائے گا) کہ تمھارے اس ساتھی کو (جو ہر وقت تمھارے سامنے رہتا ہے اور جس کے تمام حالات تم مشاہدہ کیا کرتے ہو یعنی مجھ کو) جنون (تو) نہیں ہے (جب حصر کی دو شقوں میں سے ایک شق باطل ہوگئی تو دوسری شق متعین ہوگئی کہ) وہ (تمھارا ساتھی پیغمبر ہے اور بحیثیت پیغمبری) تم کو ایک سخت عذاب آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے (پس اس طریق سے نبوت کا ثبوت اور اس کی تصدیق بہت آسان ہے۔ اور دوسری جگہ بھی اس کے قریب قریب مضمون ہے کما قال اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ الخ، اب آگے اثباتِ نبوت کے بعد کفار کے اس شبہ کا جواب ہے کہ یہ رسول نہیں بلکہ اپنی ریاست و اقتدار کے طالب ہیں، فرماتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمھارا ہی رہا (یعنی تم اپنے ہی پاس رکھو یہ محاورہ نفی ہے مطلب اجر کی بطریقِ مبالغہ) میرا معاوضہ تو بس (حسب وعدہ و فضل) اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے (پس وہ آپ ہی میرے حال کے لائق مجھ کو اجر دیدیں گے معاوضہ میں مال اور جاہ یعنی ریاست سب آگیا۔ کیونکہ اعیان و اعراض دونوں میں اجر بننے کی صلاحیت ہے، مطلب یہ کہ میں تم سے کسی غرض کا طالب نہیں ہوں جو شبہ ریاست کا کیا جائے۔ رہا یہ معاملہ کہ میں لوگوں کے معاملات اور حالات کی اصلاح کرتا ہوں، مجرم کو سزا دیتا ہوں، باہمی جھگڑوں میں فیصلہ کرتا ہوں تو یہ موجب شبہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں میری کوئی غرض نہیں۔ چنانچہ آپ کے طرزِ معاشرت اور معیشت سے صاف ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے آپ نے کوئی ذاتی منفعت حاصل نہیں کی بلکہ خود قوم ہی کا نفع تھا کہ ان کی جان، مال، آبرو محفوظ رہتے تھے۔ باپ جو اپنے چھوٹے بچوں کی حفاظت اور ان کی تادیب محض خیر خواہی سے کرتا ہے اس کو خود غرضی اور طلب ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، جب نبوت بھی ثابت ہو چکی اور شبہ مطامعہ بھی دفع ہوگیا آگے اس کی نقیض کے ابطال کو اس کے اثبات پر متفرع فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات کو (یعنی ایمان اور ثبوتِ ایمانیات کو) باطل (یعنی کفر اور انکار ایمانیات) پر غالب کر رہا ہے (محاجہ و مکالمہ سے بھی، چنانچہ ابھی دیکھا اور مقاتلہ اور مصارعہ کا بھی سامان کرنے والا ہے، غرض ہر طرح حق غالب ہے اور) وہ علام الغیوب ہے (اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حق غالب ہوگا اوروں کو تو اب وقوع کے بعد معلوم ہوا اور اسی طرح اس کو معلوم ہے کہ آئندہ غلبہ بڑھے گا، چنانچہ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلی آیت کو پڑھنا کما رواہ ابن کثیر عن الشیخین وغیرہما قرینہ ہے کہ اس مضمون میں جو غلبہ کی خبر دی گئی ہے اس میں غلبہ بالسیف بھی داخل ہے۔ آگے اسی مضمون کی زیادہ توضیح کے لئے ارشاد ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ (دینِ) حق آگیا اور (دینِ) باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا (یعنی محض گیا گذرا ہوا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہلِ باطل کو کبھی شوکت و قوت حاصل نہ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے اس دینِ حق کے آنے سے پہلے کبھی باطل پر شبہ حق ہونے کا ہوجایا کرتا تھا اب باطل اس صفت کی حیثیت سے بالکل نیست و نابود ہوگیا۔ یعنی اس کا بطلان خوب ظاہر ہوگیا، اور ہمیشہ قرب قیامت تک یوں ہی ظاہر رہے گا، آگے حق بات کے ثابت اور واضح ہوجانے کے بعد نجات کا اس کے اتباع میں منحصر ہونا بیان فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جب اس دین کا حق ہونا ثابت ہوگیا

تو اس سے یہ بھی لازم آگیا کہ) اگر (بالفرض) میں (اس حق کو چھوڑ کر) گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی کو وبال ہوگی (دوسروں کا کیا ضرر ہو) اور اگر میں (اس حق کا اتباع کر کے) راہ (راست) پر رہوں تو یہ بدولت اس قرآن (اور دین) کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہو (اصل مقصود مخاطبین کو سنانا ہے کہ باوجود وضوح کے اگر تم نے حق کا اتباع نہ کیا تو تم بھگتو گے میرا کیا بگڑے گا اور اگر راہ پر آگئے تو یہ راہ پر آنا اسی دین حق کے اتباع کی بدولت ہوگا پس تم کو چاہیے کہ راہ راست پر آنے کے لئے اس دین کو اختیار کرو اور گمراہ ہونا کسی کا یا راہ پر آنا خالی نہ جائے گا کہ بے فکری کی گنجائش ہو، بلکہ ہر ایک کا حال اللہ کو معلوم ہے کیونکہ) وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے (وہ ہر ایک کو اس کے مناسب جزا دے گا)۔

معارف و مسائل

وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ، لفظ معشار بعض نے بمعنی عشر کہا ہے۔ یعنی دسواں حصہ اور بعض علماء نے عشر العشر یعنی سو واں حصہ اور بعض نے عشر العشیر یعنی ہزار دیں حصہ کو معشار کہا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس لفظ میں یہ نسبت عشر کے مبالغہ ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ دنیا کی ثروت و دولت و حکومت اور عمر طویل اور صحت قوت وغیرہ، جو پچھلی اُمتوں کو دی گئی تھی اہل مکہ کو اس کا دسواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی حاصل نہیں، اس لئے ان کو چاہیے کہ ان پچھلی اقوام کے حالات اور انجام بد سے عبرت حاصل کریں کہ وہ لوگ رسولوں کی تکذیب کر کے خدا تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئے اور وہ عذاب آگیا تو ان کی قوت و شجاعت اور مال و دولت اور محفوظ قلعے کچھ کام نہ آسکے۔

کفار مکہ کو دعوت | اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ، اس میں اہل مکہ پر حجت تمام کرنے کے لئے ان کو تحقیق حق کا ایک مختصر راستہ بتلایا گیا ہے کہ صرف ایک کام کرلو کہ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک اللہ کیلئے کھڑے ہونے سے مراد حسی کھڑا ہونا نہیں کہ بیٹھے بیٹھے ہوئے سے اٹھ کر کھڑا ہو جائے، بلکہ اس سے مراد محاورہ کے مطابق کام کا پورا اہتمام کرنا ہے۔ اور یہاں قیام کے ساتھ لفظ للہ بڑھا کر یہ بتلانا منظور ہے کہ خالص اللہ کے راضی کرنے کے لئے پچھلے خیالات و عقائد سے خالی الذہن ہو کر حق کی تلاش میں لگو تاکہ پچھلے خیالات اور اعمال قبول حق کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ اور دو دو یا ایک ایک میں کوئی عدد خاص مقصود نہیں، مطلب یہ ہے کہ غور کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک خلوت و تنہائی میں خود غور کرنا، دوسرا اپنے احباب و اکابر سے مشورہ اور باہم بحث و تمحیص کے بعد کسی نتیجہ پر پہونچنا۔ ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے جو پسند ہو اس کو اختیار کرو۔

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا، اس جملہ کا عطف اَنْ تَقُوْمُوْا پر ہے جس میں قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے کہ سب خیالات سے خالی الذہن ہو کر خالص اللہ کے لئے اس کام کے واسطے تیار ہو جاؤ کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں غور و فکر سے کام لو کہ حق ہے یا نہیں خواہ یہ غور و فکر تنہا تنہا کر دیا دوسروں کے ساتھ مشورہ اور بحث و تمحیص کے ساتھ۔

آگے اس غور و فکر کی ایک واضح راہ بتلائی گئی۔ وہ یہ کہ ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ نہ کوئی طاقتور جتھا اور جماعت ہے نہ مال و دولت کی بہتات وہ اپنی پوری قوم بلکہ پوری دنیا کے خلاف کسی ایسے عقیدہ کا اعلان کرے جو صدیوں سے ان میں راسخ ہو چکا ہے اور وہ سب اس پر متفق ہیں، ایسا اعلان صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کہنے والا بالکل مجنون و دیوانہ ہو جو اپنے نفع نقصان کو نہ سوچے اور پوری قوم کو اپنا دشمن بنا کر مصائب کو دعوت دے، دوسرے یہ کہ اس کی وہ بات سچی ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔

اب تم خالی الذہن ہو کر اس میں غور کرو کہ ان دونوں باتوں میں کونسی بات واقع میں ہے۔ اس طریقے سے غور کرو گے تو تمہیں اس یقین کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ یہ دیوانے اور مجنون نہیں ہو سکتے ان کی عقل و دانش اور کردار و عمل سے سارا مکہ اور سب قریش واقف ہیں۔ ان کی عمر کے چالیس سال اپنی قوم کے درمیان گذرے، بچپن سے جوانی تک کے سارے حالات ان کے سامنے ہیں، کبھی کسی نے ان کے کسی قول و فعل کو عقل و دانش اور سنجیدگی و شرافت کے خلاف نہیں پایا، اور صرف ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ جس کی یہ دعوت دیتے ہیں اس کے سوا آج بھی کسی کو ان کے کسی قول و فعل پر یہ گمان نہیں ہو سکتا، کہ یہ عقل و دانش کے خلاف ہے۔ ان حالات میں یہ تو ظاہر ہو گیا کہ یہ مجنون نہیں ہو سکتے، اسی کا اظہار آیت کے اگلے جملے میں اس طرح فرمایا: مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اس میں لفظ صَاحِبِكُمْ سے اس طرف اشارہ ہے کہ کوئی اجنبی مسافر باہر سے آجائے جس کے حالات معلوم نہ ہوں، اس کی کوئی بات پوری قوم کے خلاف سنیں تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دیوانہ ہے، لیکن یہ تو تمہارے شہر کے رہنے والے تمہاری برادری سے اور دن رات کے تمہارے ساتھی ہیں، جن کی کوئی حالت و کیفیت تم سے مخفی نہیں، اور تم نے بھی کبھی اس سے پہلے ان پر اس طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا۔

اور جب پہلی صورت کا نہ ہونا واضح ہو گیا تو دوسری صورت متعین ہو گئی، جس کا ذکر آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے، اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ، یعنی آپ کا حال اس کے سوا نہیں کہ وہ لوگوں کو قیامت کے آنے والے عذاب شدید سے بچانے

کے لئے اس سے ڈرانے والے ہیں۔

إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ، یعنی میرا پروردگار جو علام الغیوب ہے وہ حق کو باطل پر دے مارتا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطل پاش پاش ہو جاتا ہے، کما قال تعالیٰ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ، لفظ قذف کے لغوی معنی پھینک مارنے کے ہیں، یہاں باطل کے مقابلہ میں حق کو پیش کرنا مراد ہے، اور لفظ یقذف سے تعبیر کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ باطل پر حق کی زد پڑنے کا اثر بتلانا مقصود ہو۔ یہ ایک تمثیل ہے کہ جس طرح کوئی بھاری چیز کسی نازک چیز پر پھینک دی جائے تو وہ چیز پاش پاش ہو جاتی ہے، اسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ، یعنی حق کے مقابلہ میں باطل ایسا پست و ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ وہ کسی چیز کی ابتداء کرنے کے قابل نہیں رہتا نہ دوبارہ لوٹانے کے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥١﴾

اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرائیں پھر نہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں نزدیک جگہ سے

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ وَقَدْ

اور کہنے لگیں ہم نے اس کو یقین مان لیا اور اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے بعید جگہ سے ۔ اور اس سے

كَفَرُوا بِهِ مِن قَبْلُ ۖ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾

منکر رہے پہلے سے ، اور پھینکتے رہے بن دیکھے نشانے پر دور کی جگہ سے ۔

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن

اور رکاوٹ پڑ گئی ان میں اور ان کی آرزو میں جیسا کہ کیا گیا ہے ان کے طریقہ والوں کے ساتھ

قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿٥٤﴾

اس سے پہلے وہ لوگ تھے ایسے تردد میں جو چین نہ لینے دے

خلاصہ تفسیر

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں (تو آپ کو حیرت ہو)

جب یہ کفار (قیامت کے ہول و ہیبت سے) گھبرائے پھریں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی سے (یعنی فوراً) پکڑ لئے جاویں گے اور (اس وقت) کہیں گے کہ ہم اس حق پر ایمان لے آئے (اور جن جن امور میں مبتلا ہو گئے ہیں سب کو مان لیا اس لئے ہماری توبہ قبول کر لیجئے خواہ دوبارہ دنیا میں بھیج کر یا بغیر بھیجے ہوئے) اور اتنی دور جگہ سے ان کے (ایمان) کا ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے (یعنی ایمان لانے کی جگہ بوجہ دار العمل ہونے کے دنیا تھی جو بڑی دور ہو گئی، اب آخرت کا عالم ہے جو دار العمل نہیں دار الجزاء ہے، اس میں ایمان مقبول نہیں کیونکہ اب جو ایمان ہوگا وہ ایمان بالغیب نہیں بلکہ مشاہدہ کے بعد ہے، مشاہدہ کے بعد کسی چیز کا اقرار کرنا تو طبعی امر ہے، اس میں اطاعت حکم کا کوئی پہلو نہیں) حالانکہ پہلے سے (دنیا میں) یہ لوگ اس حق کا انکار کرتے رہے اور (ان کا انکار بھی ایسا جس کا کوئی صحیح منشاء نہ تھا بلکہ) بے تحقیق باتیں دور ہی دور سے ہانکا کرتے تھے، (دور کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تحقیق سے دور رہتے، یعنی دنیا میں تو کفر کرتے رہے اب ایمان سوجھا ہے، اور اس کے مقبول ہونے کی آرزو ہے) اور (چونکہ آخرت دار العمل نہیں ہے اس لئے) ان میں اور ان کے (قبول ایمان کی) آرزو میں ایک آڑ کر دی جائے گی (یعنی ان کی آرزو پوری نہ ہوگی) جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ (بھی) یہی (برتاؤ) کیا جائے گا جو ان سے پہلے (کفر کر چکے) تھے، یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔

معارف و مسائل

وَأُخِذُوا مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ، اکثر مفسرین کے نزدیک یہ حال روز حشر کا ہے کہ کفار و فجار گھبرا کر بھاگنا چاہیں گے تو چھوٹ نہ سکیں گے۔ اور یہ بھی نہ ہوگا جیسے دنیا میں کوئی مجرم بھاگ جائے تو اس کو تلاش کرنا پڑتا ہے، بلکہ سب کے سب اپنی ہی جگہ میں گرفتار کر لئے جاویں گے کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملے گا۔ بعض حضرات نے اس کو وقت نزع اور موت کا حال قرار دیا ہے، کہ جب موت کا وقت آجائے گا اور ان پر گھبراہٹ طاری ہوگی تو فرشتوں کے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکیں گے، اور وہیں اپنی جگہ سے روح قبض کر کے پکڑ لئے جائیں گے۔

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ، تناوش کے معنی ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو اٹھا لینے کے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ہاتھ بڑھا کر وہی چیز اٹھائی جا سکتی ہے جو بہت دور نہ ہو ہاتھ وہاں تک پہونچ سکے۔ مضمون آیت کا یہ ہے کہ کفار و منکرین قیامت کے روز حقیقت سامنے آجانے کے بعد کہیں گے ہم قرآن پر یا رسول پر ایمان لے آئے، مگر ان کو معلوم نہیں کہ ایمان کا مقام ان سے بہت دور ہو چکا ہے۔ کیونکہ ایمان صرف دنیا کی

زندگی کا مقبول ہو، آخرت دارالعمل نہیں وہاں کا کوئی عمل حساب میں نہیں آسکتا۔ اس لئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ دولتِ ایمان کو ہاتھ بڑھا کر اٹھالیں۔

وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ، قذف کے معنی کوئی چیز پھینک کر مارنے کے آتے ہیں۔ عرب کا محاورہ ہے کہ جو شخص بلا دلیل محض اپنے خیال سے باتیں کرتا ہے اس کو رجم بالغیب اور قذف بالغیب کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، کہ یہ اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں جس کا کوئی نشانہ نہیں ہوتا، اور یہاں مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان کے دلوں سے دور ہوتا ہے دل میں اس کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ، یعنی ان لوگوں کو جو چیز محبوب اور مقصود تھی ان کے اور اس چیز کے درمیان پردہ حائل کر کے ان کو محروم کر دیا گیا۔ یہ مضمون قیامت کے حال پر بھی صادق ہے کہ قیامت میں یہ لوگ نجات اور جنت کے طالب ہوں گے وہاں تک نہ پہونچ سکیں گے اور دنیا میں وقت موت پر بھی صادق ہے کہ دنیا میں ان کو یہاں کی دولت و سامان مقصود تھا موت نے ان کے اس مطلوب کے درمیان حائل ہو کر ان کو اس سے جدا کر دیا۔

كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ، اشیاع شیعہ کی جمع ہے، کسی شخص کے تابع اور ہمخیال کو اس کا شیعہ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو عذاب ان کو دیا گیا کہ اپنے مطلوب و محبوب سے محروم کر دیئے گئے، یہی عذاب اس سے پہلے انہی جیسے اعمالِ کفر کرنے والوں کو دیا جا چکا ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ان کو یقین و ایمان نہیں تھا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

تمت سورۃ سبا بحمد اللہ

لاخر یوم من المحرم الحرام سنہ ۱۳۹۲ھ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ	
سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی اس میں پینتالیس آیتیں ہیں اور پانچ رکوع	
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔	

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو

رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ

پیغام لانے والے جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار، بڑھا دیتا ہے پیدائش میں

مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ

جو چاہے، بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر

مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ

رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا

مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا

اس کے سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔ اے لوگو! یاد کرو

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ

احسان اللہ کا اپنے اوپر، کیا کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا ہے تم کو

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

آسمان سے اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو۔